Regd. No- LW/NP/63
December. 2002,

Fortnightly
Tameer-e-Hayat
Nadwatul Ulama, Lucknow-226 007

R.N.I. No- UP.URD/2001/607
Vol.2, Issue No: 2

طبی دنیا کی ایک اہم ضرورت

وصی میڈیکل ڈکشنری (انگریزی اردو)

دنیائے علم وفن کا ایک شاہکار

(از: مولانا علیم عزیز الرحمن اعظمی)

جس میں علم طب کے ہر شعبہ سے متعلق امکانی لغات و مصطلحات (ترجمہ و تشریح کے ساتھ) بڑی عرق ریزی سے جمع کردئے گئے ہیں۔

ملنے کے پتے: (۱) مکتبہ فردوس۔ مکارم نگر (بردلیا) نیگور مارگ، لکھنؤ (۲) مکتبہ ندویہ پوسٹ بکس ۹۳، لکھنؤ۔۷

رعایتی قیمت کے ساتھ دستیاب ہے۔

FIT & CO. Ph:226657
Since:1916
SPECIALIST IN
Suits & Sherwani
Near:- Sardar Sons,
At:Nazirabad, LUCKNOW

Ph. Nos 260433-242946
جدید و دلکش سونے چاندی کے زیورات کے لئے
ہمارے شوروم میں
آپ کا خیر مقدم ہے

گہنہ پیلیس
Gahna Palace
حاجی عبدالرؤف خاں، حاجی محمد فہیم خاں محمد معروف خاں
ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ چوک لکھنؤ

طلباء اور تاجران کتب کے لئے خاص رعایت

تاج
اسلامک جنتری
دستیاب ہے
طلب کریں۔ قیمت ۵۱/-

ہر قسم کے قرآن مجید مترجم، غیر مترجم، حمائل، قاعدے پارے، پنج سورے، عربی، فارسی، اردو کی درسی غیر درسی نیز ہائی اسکول انٹر، جامعہ اردو علی گڑھ کی گائیڈ اور گیس پیپر وغیرہ بہترین اور مناسب قیمت میں ہم سے طلب کریں۔

نوٹ: آپ اپنی ضرورت کی کتب بذریعہ وی پی بھی طلب کرسکتے ہیں۔

تاج بکڈپو، اکبری گیٹ، چوک لکھنؤ

ریڈی میڈ مردانہ ملبوسات کا قابل اعتماد مرکز
اعلیٰ کوالٹی۔ جدید ترین فیشن کے
Shirt, Trousers Coat Suits, Embroidered, Sherwanis, Pullowre, Jackets, Kurta, Vastecoat suit, Night suits& ties
شادی بیاہ، تیوہار اور پارٹی کے موقع کے لئے شاندار ذخیرہ
تشریف لائیں
MEN MARK
Men's Exclusive
58,Halwasia Market,
Hazratganj, Lucknow
Ph.: Shop:216948 Resi.: 227443

حسنی فارمیسی

چشمہ ساگر
ہمارے یہاں کمپیوٹر کے ذریعہ آنکھوں کی جانچ کی جاتی ہے۔
AUTO REFRECTO METER AR-860
فوٹو کرائک ☆ کونٹیڈ لینس ☆ ہائی انڈیکس ریزی لینس
فینسی پاور و دھوپ کے چشموں کا قابل اعتماد مرکز
آپٹیشین: اے۔ رحمن (علیگ)
شنکر جی کی مورتی کے نزدیک، معتبر گنج، اعظم گڑھ

Ph. Nos - (Office): 787250 (Ext.) 18, Guest House - 323864 Fax No- 0522-787310, 788376 (thetameer-e-hayat@nadwatululama.org)
Printed And Published by Athar Husain on behalf of Nadwatul Ulama at Parekh Press Tagore Marg, Lucknow-U.P
Editor : Shamsul Haq Nadwi

تعمیر حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ اشاعت کے ۴۰ سال

اندرونی صفحات کی ایک جھلک:

- حاجی اللہ کا بندہ ہے، اپنی عادت کا بندہ کیوں
- تیرے جیکل کی تعمیر کب اور کیسے؟
- مولانا سید ابوبکر حسنی ایک باذوق صاحب علم
- ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی وفات ایک دینی وعلمی خسارہ
- امریکہ، مشرق وسطی اور صدام حسین ایک تجزیہ
- فکر انگیز اداریہ
- اور دیگر مضامین۔۔۔۔۔

اس لئے کہ تمہارے پاس دل نہیں ہے

تم تین موقعوں پر اپنے قلب کا جائزہ لو:

- قرآن سننے کے وقت،
- ذکر کی مجلسوں میں،
- اور تنہائی کے اوقات میں۔

اگر ان تینوں موقعوں پر تم اپنے پہلو میں دل نہ پاؤ
(یعنی ان چیزوں میں تمہارا دل نہ لگے
اور دل خدا کی طرف متوجہ نہ ہو۔)
تو اللہ سے درخواست کرو
کہ وہ تمہیں ایک دل مرحمت فرمادے
اس لئے کہ تمہارے پاس دل نہیں ہے

(حضرت عبداللہ بن مسعودؓ)

۱۰ جنوری ۲۰۰۳ء

7/-

چراغ راہ

حاجی اللہ کا بندہ ہے، اپنی عادت کا بندہ نہیں

حج اپنے سارے ارکان واعمال اور مناسک وعبادات کے ساتھ اطاعت محض، مجرد امتثالِ امر، بے چوں وچرا حکم بجالانے اور ہر مطالبہ کے آگے سر جھکا دینے کا نام ہے۔ حاجی کبھی مکہ میں نظر آتا ہے، کبھی منیٰ میں، کبھی عرفات میں، کبھی مزدلفہ میں، کبھی ٹھہرتا ہے، کبھی سفر کرتا ہے، کبھی خیمہ گاڑتا ہے، کبھی اکھاڑتا ہے، وہ حکم کا بندہ اور چشم وابرو کا پابند ہے، اس کا خود نہ کوئی ارادہ ہوتا ہے نہ فیصلہ، نہ انتخاب کی آزادی، وہ منیٰ میں اطمینان سے سانس بھی نہیں لینے پاتا کہ اس کو عرفات جانے کا حکم ملتا ہے، لیکن مزدلفہ میں رکنے کی اجازت نہیں ہوتی، عرفات پہونچ کر وہ دن بھر دعا وعبادت میں مشغول رہتا ہے، غروبِ آفتاب کے بعد اس کو اس کا تقاضا ہوتا ہے کہ ذرا سستالے اور رات کو یہیں رہ جائے لیکن اس کے بجائے اس کو مزدلفہ جانے کا حکم ملتا ہے، زندگی بھر نماز کا پابند رہا تھا لیکن عرفہ میں اس کو اس کا حکم ہوتا ہے کہ مغرب کی نماز ترک کردے اس لئے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے، نماز یا اپنی عادت کا بندہ نہیں، وہ یہ نماز مزدلفہ پہنچنے کے بعد عشاء کے ساتھ ملا کر پڑھتا ہے، مزدلفہ میں اس کا جی خوب لگتا ہے اور سوچتا ہے کہ یہاں جی بھر کر ٹھہرے مگر اس بات کی اجازت بھی اس کو نہیں ملتی اور اس کو منیٰ کی طرف رخ کرنے کا حکم ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ اور سب انبیاء کرام اور ان کے بعد تمام عشاق واہل محبت، اہل دل اور اہل طلب کی زندگی کا طرز یہی تھا، کبھی سفر، کبھی قیام، کبھی وصل، کبھی ہجر، نہ عادت کی غلامی، نہ ذوق کی اسیری، نہ خواہش کی تابعداری، نہ شہوت کے سامنے سپر اندازی۔

(حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ)

ماخوذ از ''ارکانِ اربعہ''

پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنؤ

اشاعت کے ۴۰ سال

جلد نمبر ۴۰ — ۱۰ر جنوری ۲۰۰۳ء مطابق ذیقعدہ ۱۴۲۳ — شمارہ نمبر ۵

زیر سرپرستی
حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

نگران خصوصی
حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی
(معتمد تعلیم، ندوۃ العلماء لکھنؤ)
پروفیسر وصی احمد صدیقی
(معتمد مال ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر عام: مولانا شمس الحق ندوی
رئیس التحریر: امین الدین شجاع الدین
معاون: ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی
معاون: محمود حسن حسنی ندوی

مجلس مشاورت
مولانا نذر الحفیظ ندوی — مولانا عبداللہ حسنی ندوی
مولانا محمد خالد ندوی غازیپوی

زرِ تعاون
سالانہ -/۱۵۰ روپئے — فی شمارہ -/۷ روپئے
ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک -/۳۵ ڈالر
بیرونی ممالک بحری ڈاک -/۲۰ ڈالر
ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات لکھنؤ کے نام سے بنائیں۔

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ
Tameer-e-Hayat
Post Box No. 93, Nadwatul Ulama Lucknow-226007
فون (دفتر) 2787250(Ext.)18 مہمان خانہ: (0522) 2323864
Website : www.nadwatululama.org
e-mail : nadwa@sanchrnet.in
thetameer-e-hayat@nadwatululama.org

مضامین ومندرجات سے متعلق سارے امور میں رئیس التحریر سے خط وکتابت کی جائے اور انتظامی امور میں مدیر عام سے رجوع کریں۔

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے پاریکھ آفسیٹ پرنٹنگ پریس، ٹیگور مارگ لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

اس شمارے میں

اداریہ
امت کے مسائل کا حل — حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی — ۳
تکبیرِ مسلسل
ہر حال میں مسلمان بن کر رہنا ہے — حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی — ۵
قندِ مکرر
طاقت کا غرور — مولانا سعید الرحمٰن الاعظمی — ۶
نعتِ رسول
تم سے توڑوں تو کس سے جوڑوں — مولانا مناظر احسن گیلانی — ۷
اسلامی ادب
مثنوی صمصام الاسلام اور اس کے مصنف — حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی — ۸
گلہائے عقیدت
ثنائے شہِ کونین — یاسمین طلعت آفاق — ۱۱
صہیونیت
تیسرے ہیکل کی تعمیر۔ کب اور کیسے؟ — مولانا سید سلمان الحسینی — ۱۴
عالمِ اسلام
امریکہ مشرقِ وسطیٰ اور صدام حسین — مولانا نذر الحفیظ ندوی — ۱۸
انٹرویو
پروفیسر تھامس ڈنہارٹ سے ایک گفتگو — مولانا محمد اکرم ندوی — ۲۱
وفیات
مولانا سید ابوبکر حسنی ندویؒ — حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی — ۲۳
ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ — ڈاکٹر مظفر عالم — ۲۶
آدابِ حج
عازمین حج کی خدمت میں چند باتیں — مولانا بلال عبدالحی حسنی — ۲۹
کتابوں کی دنیا
مہکتے پھول پر تبصرہ — مولانا خالد غازیپوری — ۳۰
سوال وجواب
شرعی مسائل — مولانا محمد طارق ندوی — ۳۰
معاصر اخبارات سے
عالمی خبریں — سید معید اشرف ندوی — ۳۱
آخری صفحہ
اسلام مخالف قوتوں کی نفسیات — امین الدین شجاع الدین — ۳۲

دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ اس شمارہ کے ساتھ آپ کا زرِ تعاون ختم ہو چکا ہے، ازراہِ کرم سالانہ زرِ تعاون ۱۵۰ روپئے ارسال فرما کر ممنون کریں۔

دستک

کیا امید کے معنی خوش فہمی اور اطمینان کے ہیں؟

''امید پہ دنیا قائم ہے''۔۔۔۔یہ ایک مسلمہ اصول ہے۔ ''مایوسی کفر ہے''۔۔۔۔یہ بھی ایک اٹل حقیقت ہے۔لیکن اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ امید قائم کرنے کے سلسلے میں انسان اس غلطی کا شکار ہوجاتا ہے کہ محض امید قائم کرکے کوشش کئے بغیر وہ مطمئن ہوجاتا ہے یہی وہ غلطی ہے جو خوش فہمی کہلاتی ہے یعنی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر روشن مستقبل کی توقع رکھنا، اس لحاظ سے خوش فہمی کو خود فریبی کا نام بھی دیا جاسکتا ہے جب کہ امید قائم کرنے کا مطلب محض آرزو اور تمنا کرنا نہیں بلکہ اس کو پورا کرنے کے لئے مسلسل آگے بڑھتے رہنا ہے۔چنانچہ امید کا دامن تھامنے والا، خوابوں کی دنیا میں نہیں رہتا بلکہ حقیقت کی سطح پر جیتا اور عمل کی دنیا میں رہتا ہے وہ خوش فہمی کے دھوکہ میں غلط فہمی کا شکار نہیں ہوتا مثلاً ورم کی وجہ سے پھولے ہوئے جسم کو وہ صحتمند بدن نہیں مانتا بلکہ اسے بیمار قرار دیتا ہے، اس اصول کے پیش نظر فرد ہو یا جماعت، جب امید کے نام پر ''خوش فہمی'' کا شکار ہوجائے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ از خود ''خود فریبی'' کے لئے آمادہ ہے ملت اسلامیہ ہند کی اجتماعی زندگی میں اس کی ایک مثال اُردو زبان کی ہے۔نغموں اور گیتوں میں اردو کے استعمال، مشاعروں کی مقبولیت اور اردو زبان کی شیرینی ومٹھاس پر کسی کی قصیدہ خوانی۔۔۔۔ان سب باتوں نے ہمیں اپنی زبان سے متعلق خوش فہمی کا شکار بنادیا اور ہم نے اس حقیقت سے آنکھیں بند کرلیں کہ مزاروں پر کتبے ہندی زبان میں لکھے جارہے ہیں، نئی نسل اُردو سے بیگانہ ہوتی جارہی ہے، علماء اُردو میں موجود دینی سرمایہ کو ہندی میں منتقل کرنے پر زور دے رہے ہیں۔۔۔۔حاصل یہ کہ اُردو ''زبان'' کے درجہ کو کھو کر ''بولی'' کی شکل اختیار کرتی جارہی ہے۔۔۔''اُردو بیرونی ممالک میں ہجرت کرتی جارہی ہے۔۔۔۔'' جیسے خیالات کے اظہار سے ہم خوش ہوجاتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ خود ہم پر اُردو کے اپنے وطن میں نصرت کے تقاضے کیا تھے۔جس امید کی بنیاد اطمینان اور خوش فہمی پر ہو، وہ ناکامی اور مایوسی پر منتج ہوتی ہے اور ناکامی اور مایوسی سے شکوہ شکایت کا مزاج پیدا ہوتا ہے۔تکلف برطرف! جو کوئی بھی خود فریبی کی راہ پر چل پڑے گا تو اس کا مقدر ہے کہ وہ تمناؤں میں الجھایا جاتا رہے اور کھلونے دے کے بہلایا جاتا رہے۔حقیقی امید پسندی انسان کو خوش فہمی میں نہیں ڈالتی بلکہ حقیقت پسندی کا مزاج بناتی اور عمل پر ابھارتی ہے۔یہ بات اپنی جگہ مسلّم کہ امید پہ دنیا قائم ہے لیکن امید کے پورا ہونے کا دارومدار عمل، حقیقت پسندی اور منصوبہ بندی پر ہے نہ کہ محض آرزو اور تمنا پر۔ (امین شجاع)

رئیس التحریر کی میز سے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قارئین کرام!

اللہ رب العزت کا شکر واحسان کہ تعمیر حیات کا تازہ شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔یہ جنوری ۲۰۰۳ء کا شمارہ ہے، گویا سال نو کا پہلا شمارہ۔عیسوی سال کی آمد کا جس طرح استقبال کیا جاتا ہے اور اس موقع پر جس طرح طوفانِ بدتمیزی بپا ہوتا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں، جب کہ ایسے مواقع احتساب کے مواقع ہوتے ہیں نہ کہ جشن منانے اور چراغاں کرنے کے۔سال ہو یا مہینہ، ان کی حیثیت ظرف کی ہے۔۔۔۔اس سے قطع نظر کہ برتن شیشہ کا ہے یا آہن کا، دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ اس میں ہے کیا؟ ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا؟۔۔۔۔یاد آتا ہے کہ گنگا پرشاد میموریل ہال لکھنؤ میں ۱۵ ویں صدی ہجری کے آغاز پر منعقدہ تقریب میں حضرت مولاناؒ نے اقبال کے اس شعر کو اس ترمیم کے ساتھ سنایا تھا۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ ''صدی'' اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

رہی بات ملّتِ اسلامیہ کی، تو اس کے ذمہ تو ''احتساب کائنات'' کا کام ہے اس لحاظ سے یہ کس قدر افسوس کی بات ہوگی کہ ہم خود احتسابی سے بھی غافل ہوجائیں اور اپنی کوتاہیوں کے نتائج اور ان کی وجوہات کو دوسروں میں تلاش کریں۔مثلاً ہمیں اپنی تاریخ کے مٹائے جانے کا شکوہ ہے لیکن ہم اپنی نئی نسلوں تک تاریخ کو منتقل کرنے کے لئے کون سا منصوبہ بند کام کررہے ہیں؟ سوتے وقت نانی اماں اور دادی اماں بچوں کو تاریخ اسلام کے سچے قصے سنایا کرتی تھیں اور اس طرح ان کے دل و دماغ کو بیدار کرتی تھیں، افسوس کہ یہ سلسلہ خود ایک قصۂ پارینہ بن چکا ہے۔مخدوم ومربی مولانا عبداللہ عباس ندوی کا مضمون اسی غرض سے شاملِ اشاعت کیا جارہا ہے کہ ہم جس شاندار ماضی کے امین ووارث ہیں، اسے ہمیں نئی نسل تک منتقل کرنے کی فکر بھی ہو اور اس سلسلہ میں جو فکریں کی گئی ہیں، ان کی یاد تازہ ہوتی رہے۔

اس شمارہ میں شامل حضرت ناظم ندوۃ العلماء کا اداریہ ہمیں دعوت غور و فکر دیتا ہے اور ہمیں اپنے فرضِ منصبی کی ادائیگی کا احساس دلاتا ہے۔یہی وہ احساس تھا جس نے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب (پیرس) کو عمر بھر بے قرار رکھا، افسوس کہ دسمبر میں علم وتحقیق کی دنیا کا یہ گوہر نایاب بھی پیوند خاک ہوگیا، رہے نام اللہ کا!

ڈاکٹر صاحب مرحوم پر بھی ایک مضمون اس شمارہ میں شامل کیا جارہا ہے۔

شروع کی سطروں میں خود احتسابی کا ذکر آیا تھا، خود احتسابی کے ساتھ آگہی اور بیدار مغزی بھی ضروری ہے۔مولانا سلمان الحسینی اور مولانا نذر الحفیظ ندوی کے مضامین، اسی غرض سے شاملِ اشاعت ہیں۔

اس شمارہ سے متعلق بھی آپ کی رائے کا انتظار رہے گا۔

والسلام
رئیس التحریر

اداریہ

امت کے مسائل کا حل فرض منصبی کی ادائیگی میں ہے

(حضرت مولانا) سید محمد رابع حسنی ندوی

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے امت وسط بنایا ہے یعنی مرکزی اور بلند مقام رکھنے والی اور دوسروں کی نگراں امت، مرکزی اور بلند مقام رکھنے کی حیثیت سے اس کو اعلیٰ کردار اور بلند معیار کا ثبوت دینا ہوتا ہے اور دوسروں کی نگراں امت ہونے کی بناء پر دوسری امتوں پر یہ نظر رکھنا ہوتا ہے کہ راہ حق اور اعلیٰ کردار کو اختیار کرنے میں ان کا کیا رویہ ہے۔اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ **وکذلك جعلناكم امة وسطا لتكونوا شهداء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيدا** ۔اور ہم نے تم کو امت وسط (یعنی مرکزی اور بلند مقام رکھنے والی امت) بنایا تاکہ لوگوں کے نگراں وگواہ بنو۔

اور اسی کے ساتھ ساتھ قرآن مجید میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ مسلمانو! تم بہترین امت بنا کر انسانوں کے لئے بھیجے گئے ہو وہ یہ کہ تم ان کو اچھی باتوں کی تلقین کرو اور بری باتوں سے منع کرو، اس طرح مسلمانوں پر تین ذمہ داریاں ڈالی گئی ہیں ایک تو معیاری اور اعلیٰ کردار کے مطابق بننے کی، دوسرے، دیگر لوگوں کو بھی معیاری اور اعلیٰ کردار کا بننے کی تلقین کرنے کی اور تیسرے ان کے قبول حق اور ترک باطل کے عمل پر نظر رکھنے کی۔اس امت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ ان ہی ذمہ داریوں کو انجام دینے نہ دینے کے لحاظ سے ہوتا ہے، مسلمانوں کا ماضی اور حال بھی اسی کی شہادت دیتا ہے۔اور اپنی ان ہی ذمہ داریوں کو نبھانے اور نہ نبھانے کے اعتبار سے عزت اور رحمت کے راستوں سے گذرتے ہیں، انھوں نے جب اپنے معیار کو صحیح رکھنے کی اور اس کے مطابق اپنی عملی زندگی بنانے کی کوشش کی، تو ان کو بلندی اور برتری حاصل ہوئی اور جب انھوں نے اپنی حالت سنوارنے اور اپنے اعلیٰ کردار کو جاری رکھنے میں کوتاہی کی تو ان کو دھکے لگے اور ذلت سے گذرنا پڑا، مسلمانوں پر سخت حالات اور ذلت آمیز واقعات ان کی تاریخ میں پیش آتے رہے ہیں وہ کبھی تو ان کی کوتاہیوں کی صورت میں سزا کے طور پر پیش آئے اور کبھی اعلیٰ معیار کو برقرار نہ رکھنے کی صورت میں بھی پیش آئے، یہ واقعات جب ان کی آزمائش اور امتحان کے طور پر پیش آئے تو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ یہ دیکھے کہ عزیمت اور ہمت ان میں کہاں تک قائم ہے، سخت حالات پیش آنے کی صورت میں مسلمانوں کو اولاً اپنے اعمال کا محاسبہ کرنا چاہئے کہ ان میں وہ کیا کوتاہیاں ہوسکتی ہیں جو اس طرح کی سزا کا سبب ہوسکتی ہیں اور پھر فوراً ان کوتاہیوں کو اپنے دامن سے صاف کرنے کوشش کرنا چاہئے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ونصرت کو اپنے لئے واپس لائیں اور اگر غور کرنے پر بھی اپنے میں کوتاہیاں نہ نظر آئیں تو ان کی ان تکلیف دہ حالات کو اپنے رب کی طرف سے ایک امتحانی امر سمجھنا چاہئے اور یہ امید رکھنا چاہئے کہ یہ امتحان گذر جائے گا۔اور ان کے صبر ورضا کا صلہ ان کو یہ ملے گا کہ ان کی ساکھ عزت وقوت واپس ہوجائے گی مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت و

مرضی نافذ کرنے کے لئے کارگذاروں کی حیثیت عطا فرمائی ہے وہ اس کارگذاری کو اگر صحیح انجام دیتے ہیں تو کوئی طاقت ان کو شکست نہیں دے سکتی، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں وعدہ فرمایا ہے کہ **وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین** کہ تم ہی سب سے سربلند رہو گے اگر تم ایمان والے ہو گے۔

مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ میں برابر ان باتوں کا ظہور ہوتا رہا ہے اور بعض مرتبہ امت مسلمہ پر ان کے دشمنوں کو ایسا غلبہ حاصل ہوا کہ یہ خطرہ محسوس کیا جانے لگا کہ اب مسلمان اس مسکنت و ذلت سے نہ نکل سکیں گے لیکن پھر یہی ہوا ذلت و مسکنت سے سرخرو ہو کر نکلے۔ بلکہ ع

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانوں سے

ان کے دشمن خود سرنگوں ہو کر تابع دار بن گئے۔

اور اب تو عالم اسلام بہت بڑا اور وسیع ہو چکا ہے اور اس کے اقتدار و عزت کے ذرائع بھی بہت وسیع ہو چکے ہیں کی صرف اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے کی اور اپنی کوتاہیوں اور حق سے روگردانیوں کو دور کرنے کی ہے، مسلمانوں میں ایک طرف شان و شوکت کا اظہار خاصا بڑھا ہے دوسری طرف غیروں کے اخلاقی و تہذیبی طریقوں سے بچنے کی کوششوں میں بھی بڑی کمی آ گئی ہے اسی کے ساتھ ساتھ دشمنوں کی طرف سے کی جانے والی کارروائیوں اور حکمت عملیوں کو سمجھنے اور ان کا توڑ کرنے کی طرف توجہ دینے میں بڑی کوتاہی ہو رہی ہے اور اس کے لئے سودمند ذرائع اختیار کرنے میں بھی کوتاہی ہے۔ اس وقت تعلیم اور ذرائع ابلاغ قوموں کی عزت و ذلت کے معاملہ میں بڑا کردار انجام دے رہے ہیں، اور ان دونوں کے سلسلہ میں مسلمانوں میں خاصی بے توجہی اور کوتاہی ہے، مسلمانوں کے معاشرے میں جو برے طور و طریق پھیلتے چلے جا رہے ہیں ان کی اصلاح کی فکر بھی نہیں کی جا رہی ہے، اللہ تعالیٰ کو مشرکانہ خیالات اور جاہلیت کے کاموں سے سخت نفرت ہے اور یہ خیالات اس کی رحمت کو بہت دور کرنے والی باتیں ہیں، لیکن ہمارا معاشرہ غلط رسموں اور شرک کی کیفیت رکھنے والے اعمال سے متاثر ہوتا چلا جا رہا ہے اور ان کو روکنے کا کام بہت ہی کم ہے یہ ہماری اندر کی خرابیاں ہیں اور باہر کے اعتبار سے ہم دیکھیں تو صاف نظر آئے گا کہ مسلمانوں کے بدخواہوں کی طرف سے ان کو ظالم اور امن دشمن ثابت کرنے کے لئے ذرائع ابلاغ اور ذرائع تعلیم سے کیا کچھ نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ بہت سے واقعات فرضی کرائے جاتے ہیں تاکہ ان کے ذریعہ ذرائع ابلاغ کو مسلمانوں کو بدنام کرنے کا مواد مل سکے، حقیقت کچھ ہوتی ہے اور اس کو طاقتور ذرائع سے کچھ اور بنا کر پیش کیا جاتا ہے، اس طرح اس وقت سارا عالم مل کر مسلمانوں کو نشانہ بنا رہا ہے جس کے اثر سے غیر تو غیر خود مسلمان دھوکے میں پڑ جاتے ہیں۔

ضرورت ہے کہ ہم اپنی کمزوریوں کا جائزہ دینی اور دنیاوی دونوں لائنوں سے لیں اور غلطیوں کا تدارک کرنے اور کوتاہیوں کو دور کرنے اور امت مسلمہ کو جو چیلنج درپیش ہیں ان کا اہلیت کے ساتھ مقابلہ کرنے کی مخلصانہ کوشش کریں، اس طرح امت مسلمہ ایک ناقابل شکست امت ثابت ہوگی اور کامیابی اور سرخروئی جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے رکھی ہے وہ اس کو حاصل ہوگی۔

❁❁❁❁❁

تکبیر مسلسل

دینی تعلیمی کونسل کے پلیٹ فارم سے

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ کا یادگار پیغام

''یوں تو موجودہ دور میں ہندوستان کے مسلمانوں کو بہت سے مسائل درپیش ہیں، ان میں کچھ سیاسی نوعیت کے ہیں، کچھ معاشی، اور کچھ دینی و اخلاقی نوعیت کے، ان مسائل کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا، ان کے لئے جدوجہد کرنا بھی ضروری ہے، اور ہم لوگ بھی اپنی بساط اور ہمت کے مطابق اس جدوجہد میں شریک ہیں، لیکن ایک مسئلہ ایسا ہے، جس کو مسلمانوں کی موت و زندگی کا مسئلہ کہنا صحیح ہوگا۔ اور جس پر اس بات کا انحصار ہے کہ کیا مسلمانوں کی آنے والی نسلیں، وہ کم سے کم شرط بھی پوری کرسکیں گی، جس کی وجہ سے وہ اس دنیا میں مسلمان کے لقب اور محمد رسول اللہ ﷺ کی اُمت اور اس کے نتیجہ میں اخروی نجات کی مستحق ہوسکیں گی؟ یا خدانخواستہ مسلمانوں کے نام کی ایسی نسل تیار ہو جائے گی جو تہذیبی، ذہنی، اور سب سے بڑھ کر اعتقادی حیثیت سے پورے طور پر مرتد، یا کم سے کم درجہ میں اسلام کے بنیادی عقیدوں سے بھی ناآشنا، اور ارکان و فرائض تک سے غافل ہوگی، اور جو کھلے کھلے مشرکانہ عقائد، اور کافرانہ تصورات رکھتی ہوگی، دل پر پتھر رکھ کر، لیکن آنکھوں کی پٹی کھول کر یہ بات عرض کرنی پڑتی ہے، کہ اب اس بات کے سمجھنے میں مطلق کسی دُور بینی یا فراست ایمانی کی ضرورت نہیں ہے۔

کوئی سوچا سمجھا منصوبہ، اور سازش ہو یا نہ ہو، اس میں ذرا بھی شبہ کی گنجائش نہیں کہ نصاب و نظام تعلیم کے ذریعہ اس کا تو انتظام پورا کردیا گیا ہے کہ مسلم و غیر مسلم کی اعتقادی تفریق، اور شرک و توحید، پیغمبر و اوتار، عقیدۂ آخرت و عقیدۂ تناسخ وغیرہ کا باہمی فرق مسلمان بچوں کے دل و دماغ میں باقی نہ رہے اور جو کچھ ہو، وہ دینِ حجازی اور ملّتِ ابراہیمی کی تعلیم و تلقین نہ ہو، بلکہ برہمنی تہذیب و فلسفہ کے اصول و تصورات ہوں۔

اب اُن مسلمانوں کو بالخصوص جن کو اللہ نے دینی احساس، اور درد اور مالی وسائل بھی عطا فرمائے ہیں، غور کرنا چاہئے کہ اُن کا اس موقعہ پر کیا فرض ہے؟ اور اُن کی اس سلسلہ میں کیا ذمہ داری ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کے ذمہ یہ فرض عائد کیا ہے، کہ وہ اپنے کو اور اپنے متعلقین کو عذاب آخرت سے بچانے کی (جو شرک کا لازمی نتیجہ ہے) پوری سعی کرے، اللہ تعالیٰ نے تمام اہل ایمان کو خطاب کر کے فرمایا ہے "**یا ایھا الذین اٰمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا**" (اے ایمان والو! بچاؤ اپنی جان کو اور اپنے متعلقین کو دوزخ کی آگ سے)

اس میں انفرادی، اور اجتماعی سب کوششیں آ گئی ہیں، جو لوگ دنیا کے حالات سے کچھ بھی واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ ایک جمہوری ملک میں کسی نظام تعلیم کی مضرت سے بچنے کے لئے انفرادی کوششیں سودمند نہیں ہوا کرتیں، اس کے لئے اجتماعی پیمانہ پر جمہوری طریقہ سے جدوجہد کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، اور اس کے لئے کسی فرقہ یا مذہب کے ماننے والوں کو یہ ثابت کرنا پڑتا ہے، کہ یہ ان کے مذہب میں مداخلت، مذہبی اور تہذیبی جارحیت کے مرادف، اور دستور کی دی ہوئی ضمانتوں کے منافی ہے۔

دینی تعلیمی کونسل، اتر پردیش نے، اسی جدوجہد کا بیڑا اٹھایا ہے، اور خدا کا شکر ہے کہ اس نے اپنے اس سفر کی کچھ منزلیں بھی طے کی ہیں، اور اس کے کارکن اس کو وقت کی اہم ترین عبادت، اور دین کا اہم ترین فریضہ سمجھتے ہوئے منہمک ہیں اور اس کے لئے ایثار و قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

ہم آپ کے دینی احساس اور اسلامی غیرت سے پوری اُمید رکھتے ہیں کہ آپ اس کارِ خیر میں شامل ہوں گے، اور اس ضروری کام میں حصہ لیں گے، جس پر ہندوستانی مسلمانوں کا بحیثیت امت مسلمہ، اور صاحب ایمان ملت کے باقی رہنا منحصر ہے، اور ہم یہ بھی امید کرتے ہیں کہ آپ وقت کی اس اہم ترین خدمت، دینی تعلیمی تحریک میں وقت اور فکر سے بھی دینی تعلیمی کونسل کی پوری پوری امداد کریں گے، اپنے اپنے ضلع میں اس کام کو بڑھانے اور منظم کرنے میں کسی جدوجہد سے دریغ نہیں کریں گے اور ایک باحمیت مومن اور فرزند اسلام کی طرح اپنی آئندہ نسلوں کو اسلام سے محروم اور شرک و کفر کا شکار نہیں ہونے دیں گے، ہم نے اپنا فرض ادا کردیا ہے، اب آپ اپنا فرض ادا کریں۔''

ہر حال میں مسلمان بن کر رہنا ہے

''آپ کو اس ملک میں ہر حال میں مسلمان بن کر رہنا ہے۔ آپ جانوروں اور پرندوں کی طرح زندگی نہیں گذاریں گے جن کو راتب کا ملنا کافی ہے۔ ہم محض ''راتب'' پر اسی ملک میں نہیں، کسی عرب یا خالص مسلمان ملک کی سرزمین پر بھی رہنے پر تیار نہیں جہاں ''راتب'' کے سوا ہم کو باعزت آزاد اور ضمیر و عقیدہ کے مطابق زندگی گذارنے کی دولت میسر نہیں۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس دن آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ آپ کو ایمان سب سے بڑھ کر عزیز ہے، ایمان کے بغیر بچوں کا جینا بھی آپ کو مطلوب نہیں اسی وقت سے حالات میں تبدیلی آجائے گی اور مشکلات کے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے۔''

قند مکرر

تعمیر حیات ۴۰ برس پہلے

طاقت کا غرور

مولانا سعید الرحمٰن الاعظمی

ہم اس وقت ایک ظالم اور متکبر بادشاہ کے سامنے ہیں، ایک ایسے سرکش حکمراں کے سامنے جس کی آنکھوں پر تکبر وسرکشی کی غلیظ چادر چڑھی ہوئی ہے اور جو اپنی حماقت اور کند ذہنی کی وجہ سے خدائی کا دعویدار ہے اور انا ربکم الاعلیٰ کا اعلان کر رہا ہے۔ یہ اپنے وقت کا سب سے بڑا سرکش اور ظالم ومتکبر بادشاہ فرعون ہے۔

فرعون سرزمین مصر کا حکمراں، جس نے پوری قوم کو غلام بنا رکھا ہے اور رعایا کو انتہائی بے دست وپا سمجھ کر ذلت وغلامی کے بندھن میں جکڑنا چاہتا ہے، وہ فرعون جو اشرف المخلوقات انسان کو جانور سے زیادہ حیثیت دینے کو تیار نہیں اور جس نے دنیا کی سب سے عظیم امت اور اپنے وقت کی بلند وبرتر قوم بنی اسرائیل کو ہمیشہ کے لئے قعر مذلت میں دھکیل دینے کے لئے پوری قوت صرف کر دی ہے، جو ایک نبی کی اولاد کو ذلیل ورسوا کرنا چاہتا ہے اور اس کے لئے وہ اپنے آخری حربہ کو استعمال کر رہا ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کو فرعون کی یہ سرکشی، اس کا استکبار اور اس کی حماقت پسند نہیں آئی، اس نے چاہا کہ اس قوم کو عزت وبلندی کے اس مرتبہ پر قائم رکھے جو ان کا حق تھا اور غلامی اور ذلت کی تاریکیوں سے نکال کر ایک ایسی روشنی ان کو عطا کرے جو رہتی دنیا تک باقی رہے، اور جو آنے والی قوموں کے لئے مشعل ہدایت بن سکے چنانچہ اس روشنی کا سب سے پہلا نور اسی قوم کے ایک نومولود بچے کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا جن کا نام موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔

موسیٰ مختلف آزمائشوں اور امتحانات سے گذرنے کے بعد اب نور نبوت سے سرفراز ہو چکے ہیں۔ رحمت الٰہی ان پر سایہ فگن ہیں، وہ فرعون سے مقابلہ کرنے کے جذبے سے سرشار ہیں، ظلم وتکبر کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہیں اور انسان کو اس کے حقیقی مرتبہ پر واپس لانے اور غلامی کے پھندے سے نجات دلانے کے لئے پوری طرح کمربستہ، اللہ تعالیٰ نے انکو نبوت کی امانت عطا فرمائی اور ہر موقع پر اپنی مدد ان کے ساتھ رکھی، اور بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانے کی ذمہ داری ان کے سپرد کر دی اور اپنی پوری مدد کا ان کو یقین دلایا۔

یقین کی بے پناہ قوت اور ایمان کے جذبہ سے سرشار ہو کر حضرت موسیٰ ظالم فرعون کے دربار میں پہونچے اور اس سے قوم کو آزاد کرنے کا مطالبہ کیا، ایمان کی دعوت دی اور خدائے واحد کو معبود ماننے کا مطالبہ کیا۔

فرعون نے موسیٰ کی یہ جرأت دیکھ کر کہا کہ اے موسیٰ کیا تم وہی شخص نہیں ہو جس کی ہم نے بچپن میں پرورش کی اور تم ایک مدت تک یہاں مقیم رہے۔ اس کے باوجود جو کچھ تم نے کیا وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ بلکہ وہ سراسر کفران نعمت ہے، احسان ناشناسی ہے۔

موسیٰ نے تلخ لہجے میں فرمایا کہ بنی اسرائیل کو تم نے غلام بنالیا، یہی وہ تمہارا احسان ہے جسے تم جتا رہے ہو۔ اے اللہ کے بندوں کو غلام بنانے والے ظالم حکمراں تو نے میری قوم کو غلام بنایا ان کو حقیر سمجھا اور طرح طرح سے ان کی توہین کی کیا یہی تیرا وہ عظیم احسان ہے جو تو یاد دلا رہا ہے۔ اور احسان مند ہونے کا مطالبہ کر رہا ہے۔

موسیٰ کی حق گوئی سے فرعون کا دربار گونج اٹھا، اور فرعون کی خدائی لاجواب ہو کر رہ گئی۔ لیکن سلطنت کے غرور اور عزت وعظمت کے نشہ نے فرعون کے اندر انتقام کی آگ بھڑکا دی، اس کے درباریوں نے اس آگ کو مزید ہوا دی لوگوں نے کہا کہ کیا آپ موسیٰ اور ان کی قوم کو اسی طرح چھوڑ دیں گے تاکہ وہ زمین میں فساد برپا کریں اور آپ اور آپ کے معبودوں سے منہ موڑ لے۔

فرعون نے جواب دیا کہ وہ دن دور نہیں جب کہ ہم ان سے اس کا انتقام لیں گے اور ان کی عورتوں کو چھوڑ کر ان کے تمام مردوں کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے اور ان کو ہماری بالادستی کے سامنے جھکنا پڑے گا۔

موسیٰ کی قوم فرعون کی یہ دھمکی سن کر گھبرا گئی۔ حضرت موسیٰ نے ان کو اطمینان دلایا اور ان سے کہا کہ تم لوگ اللہ سے مدد طلب کرو اور صبر کرو اور یہ بھی یاد رکھو کہ زمین اللہ کی ہے وہ جس کو چاہے اس کا وارث بنائے اور نیک انجام تو ہمیشہ اللہ سے ڈرنے والوں کا رہا ہے۔

موسیٰ کے خلاف ایمان کی قوت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ فرعون کے جادوگروں نے جو خالص فرعون کے پروردہ اور اس کی رعایا تھے، اور فرعون کی خدائی اور اس کی ربوبیت کے معترف تھے اور موسیٰ سے مقابلہ کرنے کے لئے پوری طرح تیار ہو کر آئے تھے انھوں نے بھی مقابلہ کی تاب نہ لاکر فرعون کے بھرے دربار میں صاف صاف اعلان کر دیا کہ ہم موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لائے۔

''جادوگر سجدے میں گر گئے اور انھوں نے کہا کہ ہم رب العالمین پر ایمان لائے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔''

فرعون یہ کیفیت دیکھ کر غصے سے پاگل ہو گیا اور اس نے جادوگروں کو دھمکی دی کہ تم نے اس شہر سے لوگوں کو نکالنے کی سازش کی ہے تو اس کا انجام تم کو جلد ہی معلوم ہو جائے گا تمہارے ہاتھ پیر مخالف سمت سے کاٹ دوں گا اور تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا۔

ایمان لانے والے جادوگروں نے نہایت بہادری اور جرأت کے ساتھ صاف صاف یہ اعلان کر دیا کہ ''تم کو جو کچھ کرنا ہو کر لو زیادہ سے زیادہ تم ہماری اس دنیاوی زندگی کا خاتمہ کر دو گے اور کوئی ہرج نہیں ہم تو اپنے رب سے ملنے والے ہیں۔''

اس کے بعد فرعون کا جو حشر ہوا وہ کسی سے مخفی نہیں، یہ مختصر سی کہانی ہے ایک ابھرتی ہوئی قوم کے مٹنے اور مٹتی ہوئی قوم کے ابھرنے کی، جو عبرتوں سے لبریز ہے اور جس میں قوموں کے عروج وزوال کی پوری تاریخ موجود ہے۔

گلہائے عقیدت

تم سے توڑوں تو کس سے جوڑوں

مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ

پیارے محمدؐ جگ کے سجن — تم پر واروں تن من دھن
تری صورتیا من موہن — کہیو کرا ہوا تو درشن
جیا کھڑے ۲، دلوا ۳ ترسے
کرپا کے بدرا ۴ کہیا ۵ برسے

تمری دواریا کیسے چھوڑوں — تم سے توڑوں تو کس سے جوڑوں
تمری گلی کی دھول بٹوروں — تمرے نگر میں دم بھی توڑوں
جی کا اب ارمان یہی ہے
آٹھوں پہر اب دھیان یہی ہے

صلی اللہ علیک نبیا! — تمرے دوارے آیا دکھیا
ہنسیا اِہکی پکڑ ہو راجا ۶ — اپنے حُسین وحَسن کا صدقا
ڈھوائے گھیریں ناؤ کو اس کے
اب نہیں ہم ہیں اپنے بس کے

سیس ۹ پہ اہکے پاواں دھر ہو — پیت ۱۰ کی اگیا من میں بھر ہو
بھدر ہو پہ تنی کرپا کر ہو ۱۱ — سپنو میں ایسن کر گجر ہو ۱۲
راجا تمری دیوڑھی بڑی ہے
رحمت تمرے نام پڑی ہے

اندھرا ۱۳ کے تم رہیا بتا ہو ۱۴ — ہردے ۱۵ کا اہکے جوت جگا ہو
ڈگری ۱۶ اپنے اہکو چلا ہو — بودھا کے تم بدھی بنا ہو ۱۷
کھینچو اہکو پاپ نرکھ سے
دھو دیہو کا لیکھ ۱۸ منھ کا اہکے

تمرے پیا کی اونچی اٹریا — ہمری نے ہی واں پہ گجریا
بتلا بتلا رہی نجریا ۱۹ — پکھلئی ۲۰ ہے اک تمری دوآریا
ان کھر چتوا تمرے سے چلی ۲۱ ہے
کھوجوا بھی ان کا تمرے سے ۲۲ ملی ہے

پی کی پتیا تم ہی لے لہو ۲۳ — ان کھر بتیا تم ہی سنی لہو ۲۴
ہمنی کے نندیا سے تم جی چلے لہو ۲۵ — مرل تھلبئی تم ہی چلے لہو ۲۶
دھری بھلے لوں تمری دیا سے ۲۷
مکتی بھی ہوای ہی تمری دُوا سے ۲۸

❁❁❁❁❁

(۱) کبھی کر دیجئے — (۲) کڑھتا ہے
(۳) دل — (۴) بادل
(۵) کب — (۶) بازو اس کا پکڑ لے اے راجہ
(۷) موجِ عظیم — (۸) سر
(۹) پاؤں — (۱۰) محبت
(۱۱) حد سے زیادہ منحوس وبدبخت پر ذرا مہربانی کیجئے
(۱۲) خواب میں ہی ایسا ہی کر گذریے
(۱۳) اندھے کو — (۱۴) بتایئے
(۱۵) قوائے باطنی — (۱۶) راستہ
(۱۷) بیوقوف کو آپ دانش مند بنا دیجئے
(۱۸) سیاہی — (۱۹) بھٹک بھٹک کر رہی نظر
(۲۰) دیکھی ہوئی ہے — (۲۱) اُن کا پتہ تم سے چلے گا
(۲۲) سراغ ان کا آپ ہی سے ملے گا
(۲۳) محبوب کا خط آپ ہی سے ملے گا
(۲۴) ان کی باتیں آپ ہی نے سنائیں
(۲۵) ہم لوگوں کو نیند سے آپ ہی نے جگایا
(۲۶) مرے ہوئے تھے تم ہی نے جلایا
(۲۷) مومن ہوئے، تمھاری مہربانی سے
(۲۸) نجات بھی ہوگی آپ ہی کی دعا سے

❁❁❁❁❁

اسلامی ادب

مثنوی صمصام الاسلام

اور اس کے مصنف

﴿مولانا عبداللہ عباس ندوی﴾

اردو کی قدیم مثنویوں میں سحر البیان، گلزار نسیم اور زہر عشق کا تذکرہ بار بار آتا ہے، یا کسی قدر میر تقی کی دریائے عشق، نواب محبت خاں کی ''اسرار محبت''، ہوش کی ''لیلیٰ مجنوں''، حقیقت کی ''ہشت گلزار''، مومن کی ''قول غمگین'' قلق کی ''طلسم الفت''، شوق کی ''بہار عشق''، میر کی ''معراج المضامین''، تسلیم کی ''شام غریباں''، شوق قدوائی کی، ''ترانہ شوق''، ہوش کی ''دفتر سحر'' کے نام بعض تذکرہ نویسوں نے کبھی کسی مناسبت سے ذکر کردیئے ہیں، لیکن مدّاح خیر البشر محسن کاکوروی کی ''صبح تجلّی'' اور اسلامی فتوحات کے ناظم فردوسیٔ اسلام سید عبدالرزاق کلامی کی مثنوی صمصام الاسلام جو ۲۵ ہزار رزمیہ اشعار پر مشتمل ہے ان کے نام بھی ہمارے اردو کے تذکرہ نویسوں کو نہیں معلوم ہیں یا ان کا ذکر کرتے ہوئے شرم محسوس کرتے ہیں کہ مذہب کی کمزوری کا داغ نہ لگ جائے شاید اس کا سبب یہ بھی ہے کہ جس طرح اردو غزل درباری ماحول کی عکاس ہے اسی طرح مثنویاں بالاخانوں کے ماحول سے نیچے نہ اتریں ہیں اور نہ بلند ہوئی ہیں اور وہی مثنویاں قابل اعتنا سمجھی گئیں جن میں

رقص سے ہو رہی تھی محفل گرم
تھاپ طبلے کی، خیر بادِ شرم

کا ماحول ہو، ورنہ کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ ایک طویل رزمیہ نظم، جس میں سلاست اور روانی بھی ہے، روزمرہ اور حُسن بیان بھی ہے، بے ساختگی اور برجستگی بھی ہے، بیان میں تاثیر ہے، جوش اور ولولہ پیدا کرنے کی صلاحیت بھی ہے، وہ سرے سے ناقابلِ اعتنا ہو، جس مثنوی کی ابتداء اس طرح ہو:

اِدھر بھی ہو ساقی نگاہِ کرم
کرم ہے ترا عام، تیری قسم

ملا دے مرے لب سے جامِ شراب
ترستا ہوں لے لے کے نامِ شراب

پلا تیز ایسی، چھکا دے مجھے
بس اب مست و بے خود بنا دے مجھے

مرے اچھے ساقی بھلا ہو ترا
تصدق دل و جاں سے تجھ پر ہوا

پلا دے پلا دے نہ کچھ دیر ہو
ترے بادۂ وجام کی خیر ہو

مرا سر ہو اور ترا سنگ در
ترے جلوے ہوں اور میری نظر

زہے بخت میں اور یہ میکدہ
یہ بے مائگی اور یہ حوصلہ

میں قرباں پلا دے مرے ساقیا
مجھے عاشقِ مست اپنا بنا

ترے عشق میں آہ و نالے کروں
ترے جاں نثاروں کے قصّے لکھوں

اور جس میں روانی اس طرح کی ہو:

میں کھاتا ہوں سوگند پروردگار
گوارا نہیں مجھ کو یہ زینہار

کہ ہو کچھ بھی تکلیف و ایذا تمہیں
فقط اس سبب میں نے روکا تمہیں

کہ تم میں سے جو لوگ باقی رہے
سب آجائیں، باقی نہ کوئی رہے

کہ ہو جائے لشکر تمہارا درست
رواں شام کو ہو پھر چُست چُست

یہ کی عرض سب نے کہ اے مقتدا
نہیں کوئی ہم میں سے پیچھے رہا

جو تھے آنے والے وہ سب آ گئے
ہمیں جانبِ شام اب بھیجئے

وہ صرف اس لیے فراموش کردی جائے کہ وہ رزم کی داستان ہے، اور اردو نے ابھی ''بزم'' سے آگے قدم نہیں نکالا ہے۔

مثنوی صمصام الاسلام کو اردو کا شاہنامۂ اسلام کہنا مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت کا اعتراف ہے، یہ علامہ واقدی م ۸۲۳ھ کی مشہور کتاب فتوح الشام کا منظوم ترجمہ ہے۔ فتوح الشام سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عہد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں اور خاص طور پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں جو فتوحات ہوئی ہیں ان کا بیان ہے۔

اس کے مصنف مولانا حافظ سید عبدالرزاق کلامی ہیں، ان کا کسی درجہ مفصل تعارف صاحب نزہۃ الخواطر مولانا حکیم سید عبدالحیؒ نے ان کی منظوم سیرت النبی گوہر مخزون ترجمہ سرور المحزون کے دیباچہ میں تحریر فرمایا ہے، چونکہ اس دیباچہ میں سرور المحزون کا بھی تعارف ہے، اس لیے یہ مختصر دیباچہ (مقدمہ) نقل کیا جاتا ہے، جو ایک سو سال پہلے کی مرصع نثر کا بھی نمونہ ہے، دیباچہ کا سرنامہ یہ ہے:

دیباچہ نثر ریختہ کلک جواہر سلک جناب فضیلت مآب جامع منقول و معقول حاوی فروع و اصول بحر ذخار علوم، واقف منطوق و مفہوم مولانائے مکرم مولوی سید عبدالحئی صاحب رائے بریلوی مدد گار ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ ادام اللہ برکاتہم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد عربی کا بروئے ہر دو سراست

کہ یکے (۱) خاک ورش نیست، خاک برسراو
صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ قدر حسنہ و جمالہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت مسلمانوں کا ایمان ہے، جن کی پیروی سے خدا کی خوشنودی حاصل ہوسکتی ہے، قل إن كنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله.

داغ غلامیت کرد در تبہ خسر و بلند
میر دلایت شود بندہ کہ سلطانِ خرید

مقتضائے محبت یہ ہے کہ آپ کا ذکر خیر مجلسوں میں اور درود پاک زبانوں پر ہر وقت جاری رہتا ہے۔

من أحب شيأً أكثر ذكره (جس کو کوئی چاہتا ہے، اس کا کثرت سے ذکر کرتا ہے)

اور اسی واسطے علمائے کرام نے حضرت کی سیر میں بڑی بڑی کتابیں لکھی ہیں، اور سچ پوچھو تو حدیث کی تمام کتابیں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذکر خیر سے مالا مال ہیں، مگر اس بحر ذخار سے موتیوں کا نکالنا ہر شخص کا کام نہیں۔

ابن سید الناس کو خدا جزائے خیر دے جنہوں نے اس بات پر نظر کرکے ضروری حالات منتخب کرکے ایک رسالہ میں جمع کردیے اور ایک مدت تک سرمۂ اہل بینش رہے، آخر زمانہ میں جب اکثر مسلمان اپنی بدقسمتی سے عربی زبان سے ناآشنا ہو کر اس قابل نہ رہے کہ اس سے فائدہ اٹھائیں، حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمہ اللہ کی فرمائش سے جناب شاہ ولی اللہ قدس سرہ العزیز نے فارسی میں اس کا ترجمہ کیا جو سرور المحزون کے نام سے مشہور ہے اور میرے ایک بزرگ مولوی سید محمد علی (تخلص علی) خواہر زادۂ جناب سید احمد رائے بریلوی قدس سرہ العزیز نے اس کو فارسی میں نظم فرمایا، جو نواب محمد علی خاں صاحب بہادر مرحوم رئیس ٹونک کی فرمائش سے مطبع علوی سے چھپ چکا ہے، ایک مدت کے بعد انقلاب زمانہ نے فارسی کی بھی وہی حالت کردی جو عربی کی ہو چکی تھی، اس واسطے میرے بھائی مولوی سید ابوالقاسم صاحب رئیس ہسوہ ضلع فتحپور نے اس کا اردو ترجمہ کیا جو نور علی نور کے نام سے مطبع مصطفائی سے چھپ گیا، نیز خواہش یہ ظاہر کی کہ اس کو اردو میں نظم کردیا جائے تاکہ لطف اس کا دوبالا ہو جائے، اس خواہش کے موافق میرے پھوپھا مولوی سید عبدالرزاق صاحب کلامی مخلص رائے بریلوی نزیل ٹونک نے اس کو نظم فرمایا، جناب ممدوح کی قابلیت کے ذکر کرنے کی حاجت نہیں ان کی یہ نظم ناظرین کے لیے اس بارہ میں خود رہ نما ہوسکتی ہے مگر اس بات کا ظاہر کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کے دادا مولوی سید حمید الدین صاحب متخلص بہ حمیدی میر منشی نواب وزیر الدولہ مرحوم اور آپ کے نانا مطب الامرا حضرت سید عبدالرحمٰن خاں بہادر مظفر جنگ دونوں جناب مولانا سید احمد قدس سرہ العزیز کے ہمشیرزادے اور مولوی سید محمد علی صاحب موصوف الصدر کے حقیقی بھائی تھے، اس کو حسن اتفاق کہنا چاہیئے کہ مولوی صاحب ممدوح نے فارسی میں نظم فرمایا تھا اور آپ نے اردو میں اس کو پیش کیا حالانکہ واقعات کا نظم کرنا بہت مشکل ہے مگر جس نے فتوح الشام کو پچیس ہزار شعروں میں نظم کیا ہو، اس کے لیے اس مختصر رسالہ کا نظم کردینا کیا بڑی بات ہے، صمصام الاسلام منظوم فتوح الشام کی نظم آپ کی ایسی مقبول ہوئی کہ چند دنوں میں دوبارہ چھپ گئی دوسرا ایڈیشن اس کا مطبع منشی نول کشور سے نکلا ہے جو قابل دید ہے، خدائے تعالیٰ آپ کی اس نظم کو بھی مقبول فرمائے اور مسلمانوں کو اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عنایت کرے۔ آمین

ومن مذهبی حب الديار لأهلها
وللناس فيما يعشقون مذاهب

(حررہ الفقیر عبدالحئی اصلح اللہ شانہ وصانہ عما شانہ) مقام لکھنؤ دار العلوم ۱۴ر ذی قعدہ ۱۳۱۸ھ۔

سیرت النبی منظوم ۱۵۴ صفحات پر مشتمل ہے، ہر صفحہ پر ۱۷ شعر ہیں، اس منظوم سیرت کا نمونہ کلام یہ ہے، حلیہ مبارکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح نظم کرتے ہیں:

آپ کے حلیہ کا ہے یاں سے بیاں
کہتا ہے یوں راوئ شیریں زباں

سید دارین محبوب خدا
آفتاب چرخ حسن و اعتلا

ہیں حسینانِ جہاں جن کے غلام
خوبیاں ساری ہوئیں جن کی غلام

جن کی پھیلی ہے جہاں میں روشنی
جو حبیب حق ہیں اللہ الغنی!

پیاری پیاری شکل اقدس، جاں فزا
جانِ جان ہر دو عالم مرحبا

تھا میانہ قد نہایت ہی حسیں
مثل جن کا دونوں عالم میں نہیں

رنگ تھا جسم مبارک کا سفید
جس سے روشن ہوگئی صبح امید

تھی مگر سرخی ملی اس میں ضرور
آنکھ کو نظارہ سے ملتا تھا نور

بیچ میں شانوں کی قدرے بعد تھا
کان کی لو تک تھے موئے مشک سا

حدّ پیری تک نہ پہونچے تھے جناب
ایک سا جلوہ تھا، یکساں آب و تاب

اسی انداز میں سراپائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیش کیا ہے جس میں ایک تو روایتوں کے الفاظ کی پوری پابندی ہے کہ حدیث میں آیا ہے کوئی لفظ چھوٹنے نہ پائے، دوسرے نظم کی پابندی اور قافیہ کا التزام بھی باقی رہے۔

مثنوی صمصام الاسلام کے ناظم سید عبدالرزاق کلامی کی ایک اور مثنوی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کے بیان میں ہے، اس میں غزوۂ بدر، اُحد، خندق وغیرہ کے حالات رزمیہ جوش کے ساتھ نظم کیا ہے، مزید یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں متعدد قصائد بھی ہیں، یہ کتاب مطبع مفید عام آگرہ میں ۱۳۳۲ھ میں چھپی ہے، اس مثنوی کی تقریظ میں

علامہ شبلی نعمانی نے تحریر فرمایا ہے:

یہ حیرت انگیز بات ہے کہ شعراء نے ہر قسم کے مضامین نظم کیے اور سلاطین وغیرہ کے کارناموں پر مثنویاں لکھیں، لیکن جو چیز سب پر مقدم تھی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کو کسی نے بھی ہاتھ نہ لگایا فارسی زبان میں صرف حملۂ حیدری ایک کتاب ہے جو اس موضوع پر لکھی گئی، لیکن اس کے مصنف نے بہت کچھ تحریف وتدلیس سے کام لیا اور اسی وجہ سے مقبول عام نہ ہوسکی، اردو میں آج تک کسی نے اس پر قلم نہیں اٹھایا، اس کی وجہ یہی ہے کہ تاریخی واقعات کا بے کم وکاست نظم کرنا سخت مشکل ہے، شاہنامہ وغیرہ میں گو تاریخی واقعات میں شاعر واقعیت کا چنداں پابند نہیں جس واقعہ کو جس طرح چاہتا ہے گھٹا بڑھا کر لکھ دیتا ہے، بخلاف اس کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں کسی قسم کی کمی بیشی ممکن نہیں۔

ہشدار کہ رہ بردم تیغ است قدم را

ہمارے زمانہ میں جناب عبدالرزاق صاحب حسن متخلص بکلامی نے اس دشوار گزار راہ میں قدم رکھا اور واقدی کے غزوات کو بعینہ نظم میں ادا کیا باوجود تعلیم کی پابندیوں کے واقعیت سے کہیں تجاوز نہیں پایا جاتا اور یہ سخت مشکل بات ہے، سید صاحب موصوف اس مشہور خاندان سادات سے ہیں جس کا احسان تمام ہندوستان پر ہے یعنی جناب سید احمد صاحب جنہوں نے رنجیت سنگھ کے مقابلہ میں جہاد فرمایا تھا، اس لیے ایسے ثواب کا کام انہی کے ہاتھ سے انجام پاسکتا تھا، خدا ان کو جزائے خیر دے آمین۔

(شبلی ۲۸ راگست ۱۹۱۱ء مقام لکھنؤ امین آباد)

علامہ شبلیؒ نے مصنف صمصام الاسلام کے خاندان اور اس خاندان کے علمی کارناموں اور دینی خدمات کی طرف اشارہ کیا ہے، مناسب ہوگا اس پر مزید روشنی ڈالنے کے لیے پروفیسر خلیق احمد نظامی کے اس مقدمہ سے ایک اقتباس نقل کریں جو انہوں نے حکیم سید فخر الدین خیالی اور ان کے تذکرۂ ریختہ گویان ہند کی تنقیدی تدوین مؤلفہ ڈاکٹر حافظ ہارون رشید صدیقی پر مقدمہ تحریر کیا ہے۔

''دعوت وعزیمت، ارشاد وتلقین، علم وفضل، سلوک وعرفان، سخن وری اور سخن شناسی کا شاید ہی کسی خاندان میں وہ اجتماع پیدا ہوا ہو جو رائے بریلی کے دائرہ شاہ علم اللہ میں بسنے والے خانوادہ کو قسام ازل نے ارزانی فرمایا، اور جو آج تک اس خاندان کا طرۂ امتیاز ہے، اتباع سنت میں کوشش کی تو علم اللہ بن گئے کہ اورنگ زیب عالمگیر نے ان کی وفات پر خواب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا اور علماء عصر نے یہ تعبیر بیان کی کہ حامل شرع اور عامل سنت علم اللہ نے جہان فانی سے کوچ کیا، عزیمت وسرفروشی نے پکارا تو سید احمد شہیدؒ کی شکل میں،

بنا کردند خوش رسمے بخون وخاک غلطیدن

کی تصویر پیش کردی، ہندوستان میں اسلامی علوم اور تمدن کے نقوش کے تحفظ کی ضرورت پیش آئی تو نزھۃ الخواطر اور الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند لکھ کر آنے والی نسلوں کے لیے حکیم سید عبدالحیؒ نے روشنی کے مینار کھڑے کردیے، علم کا پودا خون جگر کی آبیاری کے بغیر برگ وبار نہیں لاتا، دائرہ علم اللہی میں علم وفضل کی روایت کی آبیاری تین سو سال تک کی گئی ہے جب ''تاریخ دعوت و عزیمت'' نے فکر کا پیکر اختیار کیا ہے، علم وارشاد کی اتنی طویل روایت ہندوستان کے بہت ہی کم خاندانوں کو نصیب ہوتی ہے۔'' (مقدمہ ص ۲)

مولانا سید عبدالرزاق کلامی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی تھے، ۲۵ ہزار اشعار کی مثنوی اور کئی سو اشعار پر مشتمل غزوات النبی، اور تین سو اشعار پر مشتمل سیرت رسول کریم منظوم کرنا اور ان میں سلاست اور روایت دونوں کی پابندی قائم رکھنا بڑے دل گردہ کا کام ہے۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہ مثنوی صمصام الاسلام دومرتبہ چھپی اور دونوں مرتبہ منشی نولکشور کے حصہ میں یہ سعادت آئی کہ وہ اس کو شائع کریں، آخری طبع پر ۱۲۹۲ھ ۱۸۸۲ء درج ہے، بڑی تقطیع پر اور ہر صفحہ پر عرض میں دو شعر ہیں، کل صفحات کی تعداد ۴۲۹ ہے، اس کے بعد دس صفحات میں تقریظیں منظوم درج ہیں جو اس وقت کے علماء وادباء نے تحریر فرمائی تھیں۔

اس مثنوی سے ملحق ایک مختصر یعنی نوسو اشعار پر مشتمل مثنوی اور بھی ہے جس کا عنوان تمقام الاسلام ہے، یہ مثنوی بہنسا اور مصر کی فتوحات کی رزمیہ داستان ہے، اس کا نصف اول مولانا سید ابو القاسم شہیدی کے قلم سے ہے، نصف آخر صاحب صمصام مولانا عبدالرزاق کلامی کے قلم سے ہے، لیکن نہ تو اس کی تعیین کی گئی کہ کہاں تک حضرت شہیدی کا کلام ہے اور کہاں سے مولانا عبدالرزاق کلامی کی نظم شروع ہوتی ہے اور نہ نظم کی روانی اور اسلوب سے پتہ چلتا ہے، اس طرح قلم سے قلم ملا دینا بھی ایک کرامت ہی ہے۔

بہر حال اردو میں رزمیہ مثنوی اپنی نوعیت کی پہلی ہے، چونکہ اردو ادب کی تاریخیں جو بھی لکھی گئی ہیں وہ ادوار اور زمانہ پر منقسم ہیں، صنف سخن کے لحاظ سے تبویب (CLASSIFICATION) نہیں ہوئی ہے، ورنہ وہ داستان ادبائے اردو نامکمل ہوگی جس میں مثنویوں کے صنف پر گفتگو نہ ہو، اور جب مثنویں کا ذکر ہو اس میں صرف بزمیہ مثنویوں کا ذکر نہیں رزمیہ داستان کا بھی ذکر ہوگا، اور وہ کام ناقص ہوگا جس میں کلامی کی صمصام الاسلام کا ذکر نہ آئے۔

☆☆☆

(۱) کسے کہ، قدیم املا کیلئے

گلہائے عقیدت

ثنائے شہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم

یاسمین طلعت آفاق

دن ۱۲ ربیع الاول کا تھا اور ایک مدیر کی طرف سے اصرار تھا کہ کچھ لکھوں، سوچتی رہی کہ کیا لکھوں۔ سارا علم تو ختم ہو چکا ہے۔ کچھ سر سید پر صرف ہوا۔ کچھ رشید صاحب پر، باقی اپنے گھر والوں کے بیان میں۔ اب موضوع کہاں سے لاؤں۔ علمی اور تحقیقاتی مضامین سے اس ناچیز کا کوئی سروکار نہیں یہاں تو صرف تخیل اور جذبہ ہے لیکن اسکی پرواز بھی کتنی۔

اپنے والد صاحب۲ سے مشورہ کیا کہ کیا لکھوں، ویسے تو وہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ہر امتی کی طرح سرشار ہیں لیکن چونکہ سوال پوچھنے کا دن ۱۲ ربیع الاول کا تھا۔ کیفیت ہی الگ تھی، انہوں نے کہا۔ ''اپنے دل کو نور سے بھر نے کے لئے، اپنی عاقبت سنوارنے کیلئے حضور ﷺ کی مدح میں کچھ لکھو۔ اس ذات گرامی کی مدح میں لکھو جن کی تعلیمات، پیام اور احسانات سے یہ امت گراں بار ہے، جن کی شفاعت ہی پر مغفرت کا انحصار ہے، جن کا اسم گرامی ہر دل کو خوشی سے بھر دیتا ہے، سر آداب اور تسلیم سے اکدم جھک جاتا ہے۔'' لیکن میں کہاں سے وہ شاعرانہ سرور لاؤں جو ایسے مضمون کو لکھنے کی قدرت دے، کہاں سے وہ وجد کی کیفیت لاؤں، کہاں سے وہ صوفیانہ استغراق طاری کروں۔ نہ علوم عالیہ سے کوئی ربط، نہ فنون لطیفہ سے کوئی تعلق۔ کیسے اس مضمون کا حق ادا کروں۔ مگر اس سید مکی مدنی عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر روح نثار ہے۔ جن کی خوش لقبی پر دل وجاں فدا ہے۔ مدینہ کا گلزار جن کے سبب سے ہمیشہ سرسبز رہے گا اور جس کے کھجوروں کی مٹھاس ہمیشہ قائم رہے گی۔ جس پاک ذات کو پروردگار شب معراج میں، مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا اور پھر اپنے پاس بلایا۔ اتنا قریب کیا کہ ''قاب قوسین اوادنیٰ'' فاصلہ رہا، اور جبرئیل امین نے کہا کہ اگر بال برابر آگے بڑھوں تو فروغ تجلی میرے پروں کو جلا دیگی۔ کیا کوئی ایسا بلانے والا ہوگا اور کیا کوئی ایسا مہمان!

جیسا کہ میں نے لکھا ہے کہ میرا یہ مضمون تحقیقاتی نہیں کیونکہ کوئی نئی بات مجھے نہیں کہنی ہے۔ یہ صرف جذبات پر مبنی ہے۔ فارسی کے قادر الکلام اور صاحب دل شعراء جیسے قدسی، جامی، سعدی، خسرو وغیرہ نعت میں اپنا دل نکال کر رکھ دیتے ہیں۔ قدسی سے تو ابھی میں نے استفادہ کیا ہے۔ اب جامی اور خسرو کی باری آئیگی۔ ابھی تو مجھے غار حراء کا خیال آتا ہے جہاں سرکار دوعالم خلوت نشیں ہیں اور جبرئیل امیں آکر کہتے ہیں کہ اپنے رب کے نام سے پڑھئے، پھر وہ پیغام جو فرشتے نے پہنچایا تھا یعنی وحی، حضور ﷺ خاص وعام تک پہونچاتے ہیں۔ یہ پیغام آتے رہے اور سب تک پہونچتے رہے۔ ایسی امت تیار ہوئی جس نے تاریخ کا دھارا بدل دیا۔ بی بی آمنہ کے آنکھ کا تارا، حلیمہ دائی کی گود میں پلا ہوا بچہ، یتیم اور بیسر جسکے سر پر ہاتھ رکھنے والے جلدی جلدی ختم ہوگئے۔ وہ جہاں ہیں بھی بنا اور جہاں گیر بھی اور جہاں زیب بھی۔ اسکی ذات تو بہت اعلیٰ اور افضل تھی اسکے امتی بھی اس شان کے حامی ہوئے۔ مظلوموں کے حامی، بے نواؤں کے سہارا، بیچاروں کے چارہ ساز، ٹوٹے ہوؤں کے جوڑنے والے۔ حضور ﷺ نے کہا کہ اللہ نے فرمایا کہ تم خاک سے پیدا ہوئے، خاک میں لوٹائے جاؤگے، اور خاک ہی سے پھر اٹھائے جاؤگے۔ اسود اور احمر کا امتیاز ختم۔ سب سے اچھا وہ جو سب سے زیادہ پرہیزگار۔ اس امی صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کی تلاش کو فرض ٹھہرایا، ''علم میرا اسلحہ ہے، یقین میری قوت ہے، میرا فخر ہے''۔ ہاں اللہ نے ایک 'امی' کو معلم کا منصب دیا، جس نے فرمایا کہ نیت کے اخلاص میں نجات ہے۔ ایمان میں امان ہے، معرفت راس المال ہے۔ بے شک لوح وقلم کی آبرو اسی کی ذات گرامی سے ہے جسکی چمکتی پیشانی صبح کا نور ہے۔ اس جہاں کا گلشن ہو یا آخرت کا، سب کے باغباں، وہ ختم المرسلین، وہ پیغمبر آخر زماں جسکے وسیلے سے اللہ کی مہربانی ملی ہے۔

جامی نے کیا خوب کہا ہے، ''اے لالۂ خوش رنگ! اپنی شادابی اور سیرابی سے عالم کو مستفید فرمایئے اور خواب نرگسیں سے بیدار ہوئیے اپنے سر مبارک کو یمنی چادر سے باہر نکالئے کیوں کہ آپ کا روئے انور صبح زندگانی ہے، جسم اطہر پر عنبر بیز لباس آراستہ فرمایئے اور سفید کافوری عمامہ زیب سر فرمایئے۔'' جامی نے نعت اسی کو سمجھا ہے اور یقیناً صحیح سمجھا ہے کیوں کہ نعت کا تعلق حضور ﷺ کی شان رحمت سے ہے، حضور ﷺ کے لباس مبارک سے ہے، حضور کے موئے عنبریں سے ہے، پیکر نبوی سے ہے، واقعۂ معراج سے ہے، طائف میں حضور ﷺ کی فریاد اور راضی برضا ہونے سے ہے، بدر میں حضور کی دعا سے ہے جو اس قدر گداختگی سے کی گئی تھی کہ حضرت صدیق اکبرؓ گھبرا گئے تھے۔ نعت تو وہ چیز ہے جس پر حسن محیط ہے۔ اس ذات پاک کا ذکر جو جمال یوسفی، دم عیسیٰ اور ید بیضا سے متصف ہو۔ یہ استعارہ کی زبان نہیں۔ یہ بیان واقعہ ہے۔ کیا خوب سعدی نے فرمایا۔

یتیمے کہ ناکردہ قران درست
کتنجانۂ چند ملت بشست

کہاں اس شعر کی وضاحت کرکے اس کا حسن کھوؤں۔ خسرو فرماتے ہیں۔

دم خلقش کہ جاں دادہ عرب را
فروگشتہ چراغ بو لہب را

عطار نے کہا ہے۔

گر چہ ضائع کردہ ام عمر از گناہ

توبہ کر دم عذر من ازحق بخواہ

عربی زمانہ کومخاطب کرتے ہیں۔

دوراں کہ بود تا کند آرائش محفل

مداح شہنشاہ عرب راو عجم را

اقبال کا تصور انہیں بارگاہ رسول میں لے گیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ ''اس پیری میں مدینہ کی راہ پر چلا، سرور اور جذب سے گاتے ہوئے اس پرندے کی طرح جس نے شام آنے پر اپنے پر کھول دئے تا کہ آشیانے میں داخل ہوجائے۔''

میں نے ارادہ کیا تھا کہ اشعار نہ لکھوں مگر لکھ گئی کیوں کہ یہ نعت کے چیدہ اشعار ہیں۔ نعت تو نثر میں بھی لکھی جاسکتی ہے۔ حضرت خدیجہ طاہرہؓ کی تسکین وہی اور محبت کے کلمات بھی تو نعت ہیں جب وہ فرماتی ہیں۔

''ہرگز نہیں۔ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ذلیل اور رسوا نہ کریگا۔ آپ صلۂ رحمی اور رشتہ دار کا پاس ولحاظ کرتے ہیں، دوسروں کے بوجھ کو ہلکا کرتے ہیں یا محتاجوں کے کام آتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت اور خاطر مدارات کرتے ہیں، راہ حق کی تکلیفوں اور مصیبتوں میں مدد کرتے ہیں۔''

جب ام معبد دوران ہجرت رسول اللہ ﷺ کی میزبان ہوتی ہیں اور اس بکری کو سامنے لاتی ہیں جسکا دودھ خشک ہوگیا تھا اور حضورؐ کے ہاتھ پھیرنے کی برکت سے رواں ہوگیا تھا، اپنے کام سے واپس آئے شوہر سے اپنے مہمان کا ذکر کرتی ہیں وہ بھی تو نعت ہے۔

''پاکیزہ اور کشادہ جبیں، زیبا، صاحب جمال، آنکھیں سیاہ اور بال لمبے اور گھنے، بلند گردن، باریک اور پیوستہ ابرو، دیکھنے میں زیبندہ اور دل فریب، قریب سے بے حد حسیں، گفتگو موتیوں کی لڑی، قد میانہ۔''

نعت یہ بھی ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ آپ سب سے زیادہ سخی دل تھے اور سب سے زیادہ سچی زبان والے۔ سب سے زیادہ نرم دل۔ اور سب سے زیادہ با اخلاق۔ آپ کو جو دور سے دیکھتا مرعوب ہو جاتا مگر جب قریب جاتا تو محبت کرنے لگتا۔ آپ کی عقیدت سے سرشار ہو جاتا۔ آپ جیسا نہ کسی کو پہلے دیکھا نہ بعد میں دیکھا۔

اور ایک صحابی کی بات عرض کروں جنھوں نے کہا کہ میں نے چودھویں کی رات کو رسول اللہ ﷺ کو دیکھا وہ سرخ عبا پہنے ہوئے تھے۔ میں کبھی آپؐ کی طرف دیکھتا اور کبھی چاند کی طرف۔ آنحضرتؐ مجھے چاند سے زیادہ تابناک نظر آتے تھے۔

مولانا عبد السلام ندوی نے نعت گوئی کے ذیل میں قرآن کو معیار اور نور ہدایت قرار دیا ہے۔ یہ مقدس الفاظ بے حد صحیح ہیں۔ بقول حضرت عائشہ صدیقہؓ کے، حضورؐ کی زندگی تو قرآن تھی۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اور پھر جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ پیکر نبوی کے حسن و جمال کا ذکر تو ''اللہ جمیل ویحب الجمال'' کے زیر اثر ہے۔ کلام پاک میں رسول کی ثنا تو خدائے عزوجل اور اس کے فرشتوں نے کی ہے اور یہ بھی فرمایا کہ ہم نے تمہارے ذکر کو اونچا کیا۔ حسن و جمال کا ذکر آیا تو حضرت ابو طالب کے دو اشعار کا ترجمہ لکھتی ہوں:

''اگر بنو ہاشم کسی بات پر فخر کرنا چاہیں تو ان کو معلوم ہوگا کہ محمدؐ ان سب میں منتخب ترین پسندیدہ، باعث عظمت و سربلند ہیں۔

وہ گورے مکھڑے والا جس کے روئے زیبا کے واسطے سے ابر رحمت کی دعائیں مانگی جاتی ہیں، وہ یتیموں کا سہارا، بیواؤں اور مسکینوں کا سرپرست۔''

کون شاعر نعت گوئی کا حق ادا کر سکتا ہے۔ وہی جو ذات گرامی سے والہانہ محبت اور مکمل وابستگی رکھتا ہو۔ یہ صفت فارسی کے ان شعراء پر پوری اترتی ہے، جنکا ذکر میں نے کیا ہے۔ اللہ اور رسول ﷺ کی محبت انکے دل میں اس طرح جاگزیں تھی کہ جو اشعار انھوں نے کہے وہ ان کے دل کے ٹکڑے ہی تھے۔

اس ضمن میں ایک دلچسپ واقعہ لکھدوں، ایک دن حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی بارگاہ میں امیر خسرو تشریف فرما تھے۔ حضرت سے مخاطب ہوکر فرمانے لگے کہ نعتیں گو سعدی نے بھی بہت اچھی لکھی ہیں مگر میری نعتیں بھی کم نہیں۔ حضرت نے سکوت اختیار کیا، رات خسرو نے خواب دیکھا کہ سرکار دو عالمؐ تشریف فرما ہیں اور ان کے پاس بہت سے نورانی صورت بزرگ بیٹھے ہیں۔ ایک بزرگ کی طرف مخاطب ہوکر حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہاں سعدی! تم نے کیا لکھا تھا ہمارے لئے، اور سعدی نے لہک لہک کر پڑھنا شروع کیا:

بلغ العلیٰ بکمالہ کشف الدجیٰ بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ صلو علیہ وآلہ

دوسرے دن بروقت ملاقات حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے مسکرا کر پوچھا کہ خسرو! رات کیا گزری اور خسرو قدموں پر گر پڑے۔

مگر اس واقعہ کے بیان کرنے سے خسرو کی عظمت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ خسرو تو وہ نعت گو تھے جو اس محفل کے شریک تھے جو لامکاں میں منعقد ہوئی تھی اور اللہ جس کا میر مجلس تھا اور سرکار دو عالمؐ جس کی شمع۔

اگر یہ مدارج نہ ہوتے تو حضور ﷺ کے لئے کیسے فرماتے:

پری پیکر نگارے سرو قدے لالہ رخسارے

سراپا آفت دل بود شب جائیکہ من بودم

یہ صفات تو فارسی اور اردو شاعری میں دنیاوی محبوب کے بیان ہوئے ہیں۔ خسرو نے ان کو حضور ﷺ کیلئے فرمایا اور کہیں بے سلیقگی اور بدذوقی نہیں پیدا ہوئی۔ یہ خسرو کی قادر الکلامی پر اتنی دلیل نہیں جتنا ان کی والہانہ شیفتگی کی آئینہ دار ہے۔

ایسے ہی اردو کے وہ شعراء جو فارسی کے بھی بے مثال شاعر تھے اس زبان میں جس والہانہ کیفیت کا اظہار کر گئے اردو میں نہیں کر سکے۔ غالب نے کہا کہ ثنائے خواجہ تو یزداں پر چھوڑ دینی چاہئے کیوں کہ وہ ذات پاک محمدؐ کی مرتبہ داں

ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ غالب کی مغفرت اسی شعر سے ہو جائیگی۔ علامہ اقبال بھی کہتے ہیں کہ روز حشر اگر کوئی مفر نہ ہو اور میرے نامۂ اعمال کی چھان بین بھی ہو تو میرا حساب سرکار دو عالمؐ کی نظروں سے چھپا دیجئے گا، مجھے انکے سامنے شرمندہ نہ کیجئے گا۔ اس چھوٹے سے قطعہ کو پڑھ کر ایک بہت بڑے بزرگ نے فرمایا تھا کہ اقبال کی مغفرت ہوگئی۔ خیر اقبال تو یوں بھی روز حشر سرفراز رہیں گے۔ اردو میں بھی انکے دو شعر دل کو چھو لیتے ہیں۔

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآن، وہی فرقاں، وہی یٰسین، وہی طٰہٰ

میں عربی زبان سے بالکل ناواقف ہوں۔ مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی کی کتابوں میں حضرت حسان بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ، حضرت کعب بن مالکؓ اور اسی قبیل کے دیگر محترم شعراء کی نعتوں کا ترجمہ پڑھا۔ ترجمہ: کہاں اصل کا بدل ہوسکتا ہے۔ عقیدت سے دل شار ہوگیا مگر وہ لطف نہیں آیا جو فارسی کی نعتیں پڑھ کر آتا ہے۔ یہ اپنی محرومی ہے۔ مولانا کے کیے ہوئے حضرت کعب بن زہیرؓ کے قصیدہ بانت سعاد اور بوصیری کے قصیدہ بردہ کے ترجمے پڑھے۔ حضرت کعب بن زہیر کی تشبیب اردو فارسی کے قصیدوں کی طرح ہے۔ وہ فرضی محبوبہ سعاد جسکی سرگیں آنکھیں حیا اور شرم سے نیچی رہتی ہیں، آواز مدہم اور شیریں، جسم متناسب، ناک نقشہ موزوں، دانت ہمیشہ بھیگے بھیگے لگتے ہیں۔ حسن کا پیکر ہے مگر وعدہ خلاف اور بے مروت ہے اور اتنی دور چلی گئی ہے کہ اس سے ملاقات کی تمنا بھی محال ہے۔ تیرہ اشعار اسی نمونہ کے ہیں اور مجھے پسند آئے۔ پھر اس اونٹنی کا ذکر آیا جس پر سعاد گئی ہے اور اس کی تعریف میں پندرہ شعر ہیں۔ آگے وہ بیان مدعا پر آئے جس میں چغل خوروں کی چغل خوری کا ذکر ہے۔ اور پھر وہ شعر آتا ہے جس کو سن کر حضورؐ نے اپنی ردائے مبارک سے انہیں سرفراز کیا۔

رسول اللہ ﷺ ایک نور ہیں جس سے اجالا اس طرح پھیل جاتا ہے جس طرح میان سے سیف ہندی نکلتی ہے تو ایک چمک سی آنکھوں کے سامنے پیدا ہو جاتی ہے۔

یقیناً بڑا پیارا شعر ہے۔ بڑی اچھی تشبیہ ہے مگر اس انعام میں حضورؐ کی شاعر کی عزت افزائی کا دخل ہے۔ حضرت کعبؓ بن زہیر یقیناً بہت خوش قسمت تھے۔

بوصیری کے قصیدے کو بھی بارگاہ رسالت میں قبولیت ملی ہے۔ خواب میں سہی انھیں انعام سے نوازا گیا ہے۔ عربی نعتوں پر تبصرہ کرنا اپنی حیثیت سے ذرا بڑی بات ہے۔ ترجمہ کے بل پر اثرات کا فیصلہ کرنا کار خردمنداں نہیں ہے۔ اردو نعتوں کے متعلق عرض کردوں کہ بہت کم متاثر کرتی ہیں۔ یہ بات نہیں کہ اردو کے نعت گو صاحب دل نہیں ہوتے مگر دل نکال کر رکھ نہیں پاتے۔ اردو کے پرانے مثنوی نگار مثنوی کو حمد سے شروع کرتے تھے۔ پھر نعت پھر منقبت حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ اسکے بعد پھر آمدم بر سر مطلب ہوتا تھا۔ یہ ایک طرح کی روایت رہی ہے۔ جتنا قادر الکلام شاعر ہوتا تھا اتنا ہی اس میں رنگ بھرتا تھا مگر جیسا کہ میں نے لکھا ہے کہ ایک طرح کی رسم پوری ہوتی تھی۔ غزل گو شعراء یقیناً نعت میں بھی طبع آزمائی کرتے رہے ہیں اور جس پایہ کے غزل گو شاعر وہ ہوتے تھے ویسی ہی انکی نعتیں بلکہ اس سے کم۔ امیر مینائی کی نعتیں میں نے پڑھی ہیں، جگر کی بھی۔ والد صاحب کی کتابوں میں پاکستانی شاعر ابوالامتیاز مسلم کی کتاب بھی دیکھی۔ بہترین اشعار پڑھنے میں آئے اور فارسی نعتوں کی یہ دلدادہ بہت متاثر ہوئی مگر فارسی شاعری میں میرا خیال ہے کہ دل کی گدا ختگی اور تخیل کی کارفرمائی میں زبان کی شیرینی بھی مل جاتی ہے۔ اردو کے جس نعتیہ قصیدہ نے مجھے متاثر کیا ہے، وہ محسن کاکوری کا قصیدہ ہے جسکی ابتدا ''سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل'' سے ہوتی ہے۔ یہ اس زمانہ کیلئے عجیب و غریب بات تھی۔ حضور ﷺ کی مدح میں متھرا اور گوکل اور کاشی، کنھیا اور گوپیاں کدھر سے آگئیں۔ بڑے اعتراض ہوئے مگر جلد ہی اس قصیدے نے قبولیت عام حاصل کرلی اور اسکو وہ مقام ملا جسکا یہ بجا طور پر حقدار تھا۔ قصیدہ کے آخر میں وہ کہتے ہیں۔

صف محشر میں ترے ساتھ ہو تیرا مداح
ہاتھ میں ہو یہی مستانہ قصیدہ یہ غزل
کہیں جبریل اشارے سے کہ ہاں بسم اللہ
سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

اس مضمون کے خاتمہ پر میں انکسار کے کلمات نہیں لکھونگی۔ مدح خیر المرسلین میں انکسار کی گنجائش کہاں۔ لکھنے والی کلاہ تو پہنتی نہیں ورنہ وہی مردانہ مصرعہ لکھتی۔

کلاہ گوشہ دہقاں بہ آفتاب رسید

اب میں حضرت مولانا علی میاںؒ کی زبان سے وہ نثری نعت لکھتی ہوں جو میرے اور میرے سب ہم قوموں کے جذبات کی ترجمانی کرتی ہے۔

''میرے سرکار! آپ نے مردوں کی زور زبردستی سے ہم کو نجات دی۔ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے روکا۔ آپ نے فرمایا جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ آپ نے وارثت میں ہم کو شریک کیا اور یوم عرفہ کے تاریخی خطبہ میں فرمایا کہ عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرو، ہم کیونکر آپ کے احسانوں کو بیان کر سکتے ہیں۔ حضرت مولاناؒ نے ذکر نہیں فرمایا لیکن میں نے پڑھا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک موقعہ پر عورتوں کو شیشہ سے تشبیہ دی ہے۔

مضمون طویل ہوتا جا رہا ہے۔ 'نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار، والا مضمون ہے مگر میرے لئے تو سخن پایاں ہے۔ اب اس شعر پر اپنا مضمون ختم کرتی ہوں۔

باد صبا آج بہت مشکبار ہے
شاید ہوا کے رخ پر کھلی زلف یار ہے۔

---

۱ ارشید احمد صدیقی مرحوم
۲ پروفیسر وصی احمد صدیقی

تیسرے ھیکل کی تعمیر۔ کب اور کیسے؟

مولانا سید سلمان الحسینی

عیسوی تقویم کے ہزارہ سوم کے ابتداء یہودی تاریخ میں زمانی دور کی انتہاء کی طرف ہے۔ یہاں سے ایک نیا دور شروع ہوتا ہے، وہ سلامتی کے بادشاہ کا دور ہے، جس کے بارے میں یہودی عقیدہ ہے کہ وہ اسرائیل کے تمام دشمنوں کا خاتمہ کردے گا، ان کے نزدیک اس کی آمد کے لئے ''عالم حضور'' کی تیاری ضروری تاکہ ''عالم غیاب'' سے اس کا ظہور ہو، لہٰذا ضروری ہے کہ اس کی حکومت قائم ہو جائے، اس کا دارالخلافت متحد و مستحکم ہو جائے، اس کے مشن کا اسٹیج تیار ہو جائے، اس کے قبلہ کی جگہ نمایاں ہو جائے۔

.....

حکومت یہودی قائم کر چکے، یعنی اسرائیل، دارالخلافت کو مستحکم اور اپنے زیر اثر کر چکے یعنی القدس، جہاں تک مشن کے اسٹیج اور جائے قبلہ کی بات ہے یعنی ''ھیکل مقدس'' تو وقت کا سب سے اہم فریضہ ان کے نزدیک یہی ہے جس کے لئے یہودی زمانہ سے مقابلہ کرنے میں لگے ہوئے ہیں، متدین یہودی اس کے لئے سرگرم عمل ہیں، اور سیکولر یہودی سیکولرزم کا لبادہ اتار کر اس کی مہم میں شامل ہوتے جارہے ہیں۔

.....

عیسائی بھی یہودیوں کے ساتھ ان کوششوں میں شریک ہیں کیونکہ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ ''نجات دہندہ'' جس کا اثر ظاہر ہے، وہی یہودیوں کو عیسائی بنائے گا، یہودیوں کو اچانک معلوم ہوگا کہ جس کا انتظار وہ کر رہے تھے وہ عیسیٰ بن مریم کی ذات گرامی ہے۔

تقریباً ایک صدی سے عیسائی یہودیوں کے ساتھ جو تعاون کر رہے ہیں اور ان کے مشن سے جو دلچسپی لے رہے ہیں اس کے پیچھے یہی عقیدہ اور نظریہ کام کر رہا ہے کہ ہزارۂ سوم میں ہزارۂ مسیح، اور زمانۂ امن و سلامتی ہے۔

.....

امریکن رائٹرلی اوبرین کا کہنا ہے کہ بہت سے پروٹیسٹنٹ عیسائیوں کے لاہوتی نقطہ ہائے نظر، اسرائیلی حکومت کو توراتی پیشن گوئی کا اظہار قرار دیتے ہیں، اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہودیوں کا فلسطین میں جمع ہونا ان کے حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد ثانی سے پہلے عیسائی بننے کی تمہید ہے اسی لئے شہر القدا کے (انٹرنیشنل عیسائی مشن ۱) کے حامی یہودیوں کے علاوہ باقی ادیان کے ماننے والوں کو عیسائی بنانے پر سارا زور صرف کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہودیوں کے درمیان مشنری ورک جائز نہیں ہے، وجہ یہ ہے کہ وہ عیسیٰ مسیح کے نزول کے بعد از خود انہیں مان لیں گے۔

.....

لیکن نصرانیوں کے عقیدہ کے مطابق عیسیٰ مسیح کہاں نازل ہوں گے؟

ان کا کہنا ہے کہ وہ شہر القدس میں نازل ہوں گے، اور اپنا مشن ''ھیکل سلیمانی'' سے شروع کریں گے، اس لئے یہ ضروری ہے کہ ھیکل کی تعمیر میں سرگرمی سے حصہ لیا جائے، جو یہودیت و نصرانیت کے ہم آہنگ ہونے کی ایک علامت ہے، یہودی عیسائیوں کی اس حماقت کا پورے فکر و فن اور ذہانت و عیاری کے ساتھ استعمال کر رہے ہیں۔

ایک یہودی صاخام نے ایک عیسائی پادری سے کہا تھا، آپ لوگ مسیح کی دوبارہ آمد کے منتظر ہیں اور ہم لوگ ان کی پہلی آمد کے منتظر ہیں، لہٰذا ہمیں پہلے ھیکل تعمیر کر لینا چاہئے، پھر مسیح کی آمد اور ان کے دیدار کے بعد ہم اپنے درمیان کے مسائل حل کر لیں گے۔

.....

ھیکل اسلام سے پہلے عبادت کے لئے اختیار کردہ اور تعمیر شدہ جگہ کا قدیم نام تھا، اور جو ھیکل قدس کی سرزمین مقدس میں موجود تھا، وہ نبوت محمدی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام سے پہلے مسجد اقصیٰ کے مختلف مرحلوں کی نمائندگی کرتا تھا، یہ ثابت ہے کہ وہ دوسری مسجد ہے جو روئے زمین پر تعمیر کی گئی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ مقدسہ کی تعمیر کے چالیس سال بعد اس کو تعمیر کیا۔۲

ھیکل انبیائے بنی اسرائیل کا قبلہ رہا، مسلمان بھی ابتداء میں اس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے رہے، یہاں تک کعبہ قبلہ قرار دیا گیا، واقعہ اسراء اس بات کا اعلان تھا کہ قبلہ اولیٰ کے وارث اب مسلمان ہیں کیونکہ وہ خطہ مبارک و مقدس ہے جس کا استحقاق ملتِ کفر کو حاصل نہیں ہے۔ اسی لئے فتح مکہ کے بعد ابتدائی فتوحات کا رخ اس طرف ہوا، جن کی ابتداء جنگ تبوک سے ہوئی، اور تکمیل حضرت عمر بن الخطاب کے عہد مسعود میں ہوئی۔

جس طرح اس سرزمین مقدس نے

''ھیکل'' کے وجود کی بناء پر تقدس حاصل کیا تو وہ تقدس ''ھیکل'' کے مسجد کی شکل اختیار کرنے پر ویسے قائم رہا اب دوسرے ھیکل کی تخریب کے دو ہزار سال بعد، اور اسلام کے سایہ میں مسجد اقصیٰ کی تعمیر پر ۲۳۲۴ سال گذرنے کے بعد یہودی مسجد کو منہدم کرنا اور ھیکل کو سہ بارہ بنانا چاہتے ہیں، تاکہ وہ تیسرا ھیکل ہو، پہلا ھیکل بابل کے بادشاہ بختصر کے ہاتھوں ۵۸۷ ق م میں منہدم کیا گیا، دوسرا ھیکل ۷۰ء میں رومی بادشاہ ٹائیٹس کے ذریعہ برباد ہوا۔

.....

یہودی اس پورے طویل دورِ انتشار میں جب بھی ملتے تھے تو آپس میں ایک دوسرے کو سلام یہ کہتے ہوئے کرتے تھے ''کل ہم یروشلم میں ملیں گے'' اب جبکہ وہ یروشلم پر قابض ہو چکے ہیں اور ''براق'' کی دیوار تک جس کو وہ ''دیوار گریہ'' کہتے ہیں پہونچ چکے ہیں، تو ان کے مذہبی پیشواؤں نے ایک اور دعا ایجاد کر لی ہے، جس کو دیوار گریہ کے سامنے وہ اپنی عبادت میں دہراتے رہتے ہیں وہ دعا فی الحقیقت ایک قسم اور معاہدہ ہے کہ وہ ھیکل کو بنا کر دم لیں گے، اور دعا کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ اس کو فراموش کر دیں تو ان کی زبانیں ان کے حلق سے چپک جائیں سب سے پہلے یہ دعائیہ الفاظ فوجی قائدین کی زبان پر بغیر نہ رہ سکے، یہودیوں کو قدس سے الگ کیا ۱۹۶۷ء میں آئے تھے جب وہ قدس میں داخل جائے گا تو ان کے دل زخمی ہوئے بغیر نہیں رہ ہوئے تھے اس وقت اسرائیلی وزیر دفاع موشے دایان شہر مقدس میں اسرائیلی فوج کے بڑے سکتے۔۳

لیکن کیا صرف یہودی یا ان کے مذہبی پیشوا (شلوموگورین) کے پیچھے پیچھے داخل ساتھ صرف عیسائی ''ھیکل'' کی تعمیر کے لئے ہوا تھا، اسحاق رابین سابق اسرائیلی چیف آف فکر مند ہیں؟ نہیں، بہت سے مذاہب کے آرمی اسٹاف نے اپنی ڈائری میں قدس میں نادان اور مغفل پیرو بھی ماسونی کلبوں کی چھتری داخلہ اور ھیکل سے قرب کے لمحات کی حرارت کے نیچے یہودی مقاصد کی طرف کشاں کشاں وتاثیر کا اس طرح ذکر کیا ہے۔

''ہمارے لئے صبر مشکل ہو رہا تھا، لازم تھا کہ ہم تاریخی موقع ضائع نہ کریں جس قدر ہم دیوار گریہ کے قریب ہو رہے ہیں تاثرات کی شدت بڑھتی جارہی تھی، وہ دیوار گریہ جو اسرائیل کا امتیاز ہے میں ہمیشہ خواب دیکھتا تھا کہ میں بھی شریک ہوں، صرف مملکت اسرائیل کے قیام میں نہیں، بلکہ قدس کی بازیافت میں اور دیوار گریہ کے حصول میں، آج میرے خواب شرمندہ تعبیر ہو رہے تھے، مجھے تعجب تھا کہ کیسے یہ بات میرے تصرف میں آگئی مجھے احساس تھا کہ اس بلندی تک میں اپنی پوری زندگی میں کبھی نہیں پہونچ سکتا۔''۴

یہ الفاظ چیف کمانڈر کے ہیں جس کو بعد میں لیبر سیکولر حکومت میں وزیر اعظم بننے کا بھی موقعہ ملا۔

اس وقت کا صدر اسرائیل (زلمان شازار) اس دن دھیمے قدموں کے ساتھ دیوار گریہ کی طرف بڑھ رہا تھا اور اس کے پیچھے یہودیوں کی بھیڑ تھی، فرانسیسی صحافی (جان نویل) اس منظر کی تصویر کشی کرتا ہے۔ ''زلمان شازار'' صدر اسرائیل مفتوح شہر میں داخل ہوا، دیوار گریہ کے سامنے کھڑا ہوا، سلیمان عظیم کے عبادت خانہ کے سامنے بیس صدیوں میں پہلی مرتبہ آزاد عبرانی حکومت کا صدر کھڑا رہا تھا، ملہ اسرائیلی بھی ان دینی جذبات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، یہودیوں کو قدس سے الگ کیا جائے گا تو ان کے دل زخمی ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔۴

لیکن کیا صرف یہودی یا ان کے ساتھ صرف عیسائی ''ھیکل'' کی تعمیر کے لئے فکر مند ہیں؟ نہیں، بہت سے مذاہب کے نادان اور مغفل پیرو بھی ماسونی کلبوں کی چھتری کے نیچے یہودی مقاصد کی طرف کشاں کشاں لیجائے جارہے ہیں ماسونیت (فری میسن) کا تعارف ہالینڈی مستشرق (ڈوزی) نے یوں کرایا ہے۔ ''مختلف مذاہب کے ماننے والوں کی ایک بھیڑ ہے، جو ایک مقصد کے لئے کام میں لگی ہوئی ہے، وہ ہے ھیکل کی دوبارہ تعمیر جو اسرائیل کا نشان ہے''۔۵

اس مسئلہ میں ۵ یورپین ماسونی اور عرب ماسونی برابر ہیں، ۱۹۰۱ء میں نیویارک سے شائع ہونے والے ایک پمفلٹ میں کہا گیا:

''یوروپین ماسونی ایک ایسی عظیم عمارت بنائے گی جہاں اسرائیل کے معبود کی ہمیشہ عبادت کی جائے گی۔''۶

دوسری طرف نمایاں عرب ماسونی ادریس راغب کا کہنا ہے:

''ھیکل کی لازمی تعمیر کا عقیدہ کتاب مقدس میں مذکورہ وعدوں پر ہمارے ایمان کو تقویت پہونچاتا ہے۔''۷

غرض کہ یہ عقیدہ جو یہودیوں اور عیسائیوں میں مشترک ہے اور ماسونی بھی اس کے لئے کوشاں ہیں اب وہ نظریہ اور خیال سے آگے بڑھ کر عملی تنفیذ اور ایک واقعہ کی طرف پیش قدمی کر چکا ہے۔

پہلے پتھر

ہر تعمیر اینٹ پتھر کی محتاج ہوتی ہے، اور جب عمارت افسانوی ہو، جس کو واقعہ بنایا جارہا ہو تو اس عمارت کے پتھر بھی افسانوی ہونے چاہئیں؟ یہی یہودیوں کی سوچ ہے اور وہ عملاً اسی میں لگے ہوئے ہیں عملی طور پر پتھروں کا قصہ ۹۰ کی دہائی میں اس وقت شروع ہوا تھا جب ایک یہودی دینی تنظیم نے ایک بڑے (مقدس) پتھر کا انتخاب کیا جو سوا پانچ ٹن وزن کا تھا، انہوں نے اس پتھر کو بتاریخ ۱۵/۱۰/۱۹۸۹ء مسجد اقصیٰ کے دروازہ سے قریب ''تیسرے

ھیکل'' کے سنگ بنیاد کے طور پر رکھا تھا۔

اس وقت ''ھیکل ٹرسٹ'' کے ناظم ''جرشون مسلمون'' نے کہا تھا :

ھیکل کا سنگ بنیاد ایک نئے تاریخی دور کے آغاز کی نمائندگی کرتا ہے ہم یہودی قوم کی آزادی کا نیا دور شروع کرنا چاہتے ہیں (دیکھئے اخبار ''الشرق الاوسط'' ۱۶/۱۰/۱۹۸۹ء)

.....

یہ موقعہ محض سنگ بنیاد کی تقریب منانے کا موقعہ نہیں تھا بلکہ ایک ایسے مرحلہ کا افتتاح تھا جو دوسرے دور کی تمہید تھی، اس کی دلیل یہ ہے کہ ''مقدس'' پتھروں کو اکٹھا کرنا ''ھیکل'' کی تعمیر کی فکر کرنے والوں کے نزدیک ایک عبادت کی حیثیت اختیار کر گیا۔

۱۹۹۷ء کے آغاز ماہ اگست میں فرانسیسی نیوز ایجنسی نے ایک رپورٹ شائع کی تھی جس میں بتایا گیا تھا کہ :

''انتہا پسند یہودیوں نے شہر القدس اپنی مذہبی رسموں کے مطابق ھیکل کی تعمیر کے لئے ہر طرح کی تیاری کرلی ہے، وہ صحراء ''النقب'' سے کاٹ کر پتھر لا کر قدس میں انہیں ھیکل کی تعمیر کے لئے تیار کر رہے ہیں رپورٹ کے مطابق اس پروجکٹ میں چھ ملین پتھر درکار ہیں رپورٹ میں اس پر بھی متنبہ کیا گیا ہے کہ ھیکل کا تعمیری نقشہ امریکا میں تیار کیا گیا ہے جس کو ماہر یہودی انجینئروں نے تیار کیا ہے اور یہ نقشہ اسرائیلی حکومت کے حوالہ کر دیا ہے اور تعمیری کام کرنے والوں کی پوری ٹیم تیار ہے جو صرف اشارہ کی منتظر ہے۔ (دیکھئے اخبار ''الشرق'' قطر ۱۹/۸/۱۹۹۷ء)

.....

چھ ملین (توراتی) پتھر کا جمع کرنا معمولی کام نہیں ہے، لیکن آج کے یہودیوں کے ہاں ہر مشکل آسان ہے، کیونکہ اپنی دیرینہ مہم میں زیادہ تاخیر کا وہ انتظار نہیں کرنا چاہتے، اسرائیلی اخبارات نے یہ خبر شائع کی تھی کہ مالدار ''لیوی'' خاندان مقبوضہ جنوبی علاقہ میں پتھر توڑنے کی ایسی مشینوں کا مالک ہے جس سے ان پتھروں کی بڑی تعداد تیار کی جا چکی ہے جن تک کسی انسان کی پہونچ نہیں ہوئی تھی، تاکہ جب ضرورت پڑے تو تعمیر ھیکل کے لئے ان کو شہر ''قدس'' منتقل کیا جا سکے، (دیکھئے اخبار الخلیج ۶/۱۱/۱۹۹۷ء)

ایک اور یہودی تنظیم ہے جو خاص قسم کے پتھروں کی خریداری میں مشغول ہے جن کو النقب صحراء میں تیار کیا جائے گا، اس تنظیم کا ایک لیڈر ''یانور'' کا کہنا ہے کہ چھ ملین پتھروں کا حصول آسان نہیں ہے۔ لیکن انہیں یہ احساس ہے کہ وہ ایک مقدس کام میں مشغول ہیں، جس کو پایہ تکمیل تک پہنچانا ہی ہے، اس کا کہنا ہے:

''میں جب یہ پتھر چھوتا ہوں اٹھاتا ہوں تو میرا احساس یہ ہوتا ہے کہ میں جنت کی کوئی چیز اٹھا رہا ہوں'' دیکھئے اخبار الخلیج ۹/۸/۱۹۹۷ء

پتھروں کے بارے میں یہ نسلی تفاخر اور تقدس کے احساسات اور وہ افسانوی فضا جس میں یہودی دینی تنظیمیں سانس لی رہی ہیں پہلے مرحلہ میں مجنونانہ عمل معلوم ہوتا ہے لیکن قابل افسوس یہ ہے کہ یہ ایسا تربیت یافتہ جنون ہے جس کی حمایت قوانین سے بھی کی جارہی ہے اور اقتدار اس کو سہارا دے رہا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بعض تنظیم کے لوگوں نے قدس کے پلیٹ فارموں کے بعض پتھر صرف اس لئے اکھاڑ لئے کہ انہوں نے ان میں ''توراتی اثرات'' محسوس کئے بلکہ حکومت نے بھی ان کی اس سلسلہ میں مدد کی، جون ۱۹۹۷ء کی بات ہے کہ شہر قدس کی اسرائیلی میونسپلٹی نے اسرائیلی وزارت سیاحت کے تعاون کے ساتھ قدس کی ایک بڑی سڑک کے پلیٹ فارم کے پتھروں کو نکالنا شروع کیا وجہ یہ تھی کہ ان کے نزدیک وہ ''توراتی پتھر'' تھے، ان پتھروں کو اکھاڑنے کے لئے ایک ملین شیکل (تقریباً تین لاکھ پچاس ہزار ڈالر) منظور کئے گئے۔ (دیکھئے اخبار الخلیج ۱۴/۶/۱۹۹۷ء

.....

پتھروں کے بعد کیا؟

توقع اس کی تھی کہ ھیکل کی تعمیر سے متعلق کسی قدم کو اٹھانے سے پہلے مسجد کو منہدم کرنے کی کارروائی کی جائیگی، لیکن واقعہ اس کے خلاف ہے، یہودی اپنے جنون اور ہسٹریائی کیفیت میں واقعات کی پیش بندی میں لگے ہیں اگست ۱۹۹۷ء میں فرانسیسی نیوز ایجنسی نے ایک رپورٹ شائع کی تھی۔ جس میں لکھا گیا تھا،

''ان رسوم وروایات کی تجدید واحیاء کی تیاریاں چل رہی ہیں جن کو ھیکل میں برتا جائے گا، ان میں ان جانوروں کی قربانی بھی شامل ہے، جو یہودی شعائر کا ایک حصہ ہے، رپورٹ میں بتایا گیا کہ یہودی حاخام اس وقت نئی نسل کی تربیت اس طرح کر رہے ہیں کہ وہ ھیکل کی روایات اور رسوم وعبادات کو ادا کر سکیں۔ رپورٹ میں اس طرف بھی اشارہ کیا گیا کہ یہودی اس نقطہ نظر سے سرگرم عمل ہیں کہ ھیکل کی تعمیر مکمل شکل میں ان بڑے واقعات سے پہلے ہو جانی چاہئے جو نزول مسیح سے پہلے پیش آئیں گے۔

''یہودی بنیاد پرستی'' کتاب کے مصنف ایمانویل ہیمان جو فرانسیسی یہودی ہے نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ اس وقت یہودی بنیاد پرستوں کی سب سے بڑی فکر یہ ہے کہ کسی طرح ''تیسرے ھیکل'' کی تعمیر کی تیاریاں مکمل کرلی جائیں۔

اس نے لکھا ہے کہ :

''قدس میں ایک تالمودی اکیڈمی ہے جو اپنے طلباء کو ایک خاص مہم کے لئے تیار کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ ان مجاوروں اور پجاریوں کو تیار کیا جائے جو تعمیر کے بعد اس میں خدمات انجام دیں گے، اس عظیم مستقبل کی تیاری کے لئے یہودی حاخام تورات کے نصوص کے مطالعہ میں لگے ہیں تاکہ مملکت اسرائیل میں تین ہزار سال پہلے عبادت کے جو مراسم ادا کئے جاتے تھے ان کی تفصیلات دریافت کریں، وہ بڑی تندہی اور محنت کے ساتھ عبادت انجام دینے کے ضروری لوازمات تیار کر رہے ہیں قربانیوں کا خون رکھنے کے لئے پیتل کے برتن، اور مقدس سیال چیزوں کے پیالے، اور مراسم عبادت کے لئے اعلان کے بوق (بھونپو) تیار کر رہے ہیں، دیوار گریہ سے چند قدم کے فاصلہ پر ایک چھوٹا سا میوزیم قائم کیا گیا ہے جس میں شوقین عوام کے سامنے عبادت کے لوازمات دکھائے جاتے ہیں، حاخام (مناحیم ماکوفر) جو اس تنظیم کے سکریٹری ہیں اس بات کی امید رکھتے ہیں کہ وہ ایک دن ان لوازمات واشیاء کو میوزیم کے شوکیسوں میں ھیکل کی تعمیر کے بعد بنفس نفیس منتقل کریں گے، اور وہ کہتے ہیں کہ یہودیوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ھیکل کی تعمیر کریں۔ یہ خدائی حکم ہے اس کے لئے کسی الٰہی معجزہ کا انتظار نہیں کرنا چاہئے۔[۸]

لیکن اہل کتاب ''ھیکل'' کو ایک انسانی معجزہ بنا دینا چاہتے ہیں جس میں ماہرانہ انجینئرنگ اور عظیم الشان تعمیر کا مظاہرہ کیا جائے گا، پادری ''رشاذ'' کتاب حزقیل میں ''ھیکل'' کی پیشن گوئی کی شرح کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

''صحیح تو ضیح یہ ہے کہ یہ پیشن گوئی ابھی پوری نہیں ہوئی لیکن مستقبل میں پوری ہوگی اور تعمیر نہایت عظیم اور پرشکوہ ہوگی'' ھیکل سلیمانی''۔ اس عظیم الشان عمارت کے سامنے کسی شمار میں نہ ہوگا''۔

اسرائیل کے مختلف مقامات پر ان دینی لوازمات کی نمائش لگتی رہتی ہے جن کی ضرورت ''ھیکل'' کے زائرین کو پڑے گی مثلاً وہ آلات جو قربانی کی راکھ کے استعمال کی وضاحت کرتے ہیں اور مختلف برتن اور ''مقدس'' نبیذ اور عبادت کے لئے فرش فروش یہ سب چیزیں تیار ہیں۔

❁❁❁❁❁

[۱] اس کا قیام ستمبر ۱۹۸۰ء میں ہوا تھا، اس کا تعاون امریکہ کی انجلیکن تنظیمیں کرتی ہیں، اس کے قیام کے بعد جو تعارفی کتابچہ شائع ہوا تھا، اس میں پہلا فقرہ یہ تھا کہ ہمیں اسلامی روح کے خلاف دعا کرنا چاہئے اور اس میں کہا گیا تھا کہ قدس کے مقدس ترین خطہ میں مسجد کا وجود ھیکل کے مقام مقدس کے لئے کلنک کا ٹیکہ ہے۔

[۲] دیکھئے ۶/۶۹ صحیح البخاری اور صحیح مسلم ۳۷۰

[۳] دیکھئے **الخلیفة التوراتیا للموقف الامریکی** (امریکی موقف کا توراتی پس منظر) از اسماعیل کیلانی ص ۳۵۔

[۴] دیکھئے **الخلیفة التوراتیا للموقف الامریکی** (امریکی موقف کا توراتی پس منظر) از اسماعیل کیلانی ص ۳۶۔

[۵] دیکھئے **الماسونیة فی العراء** (فری میسن بے نقاب) از محمد علی الزعبی ص ۱۶۳

[۶] دیکھئے کتاب **جذور البلاء** (مصیبت کی جڑیں) از عبداللہ التل ص ۱۲۷

[۷] **الماسونیة فی العراء** دیکھئے 'یہودی بنیاد پرستی' ص ۱۰۱

[۸]

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
کا سفرنامۂ حج
ذوق وشوق میں ڈوبا ہوا
"اپنے گھر سے بیت اللہ تک"
یہ سفرنامہ صرف روداد سفر نہیں بلکہ حج کے سلسلہ کی ساری معلومات اس میں آگئی ہیں اور قدم قدم پر ایسی رہنمائی ملتی ہے جس کے سہارے حاجی اپنا سفر طے کرتا چلا جاتا ہے۔
اسی کے ساتھ
حج کے چند مشاہدات واحساسات۔ حج کے سلسلہ میں شریعت کے حکیمانہ انتظامات کے عنوان سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مضامین بھی شامل ہیں۔
مزید یہ کہ اس میں
مولانا سید محمد رابع حسنی ناظم ندوۃ العلماء کا مکمل مضمون ''حج کے اقسام طریقے اور آداب'' بھی شامل ہے جس کے پڑھنے کے بعد حاجی کو دوسری کتابوں کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔
آخر میں
مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی نظمیں اور گلدستہ حمد وسلام اور مناجات شامل کتاب ہے۔
قیمت ۲۵/- روپے۔ خوبصورت کتابت وطباعت
مولانا محمد ثانی حسنی کا حج نامہ
لبیک اللھم لبیک
قیمت ۳۰/- روپے
(محصول ڈاک علاوہ)
ناشر
مکتبہ اسلام ۱۷۲/۵۴۔ محمد علی لین، گوئن روڈ لکھنؤ

عالم اسلام

امریکہ، مشرق وسطیٰ اور صدام حسین: ایک تجزیہ

مولانا نذر الحفیظ ندوی

مشرق وسطیٰ کے بارے میں
ریکی پالیسی کو خود اس کے ماہرین ''دوغلی
لیسی'' سے تعبیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ
وئی نیا نظریہ نہیں ہے بلکہ جارج کینن نے
۱۹۵۰ء میں کوریا کے بارے میں یہ پالیسی پہلی
روضع کی تھی، اس کے بعد سے تمام دنیا کے
ارے میں امریکہ کی یہی پالیسی ہوگئی۔ مشرق
سطیٰ کے سلسلہ میں امریکہ نے سب سے پہلے
جمال عبدالناصر پر تجربہ کیا، جو سو فیصد کامیاب
ہا اس کے خاتمہ کے بعد صدام حسین اس
پالیسی کی تنفیذ کا ذریعہ بنے، دونوں اپنے
مقاصد حاصل کررہے ہیں جیسا کہ امریکی
پالیسی کے سب سے بڑے یہودی گرو ہنری
کیسنجر نے عراق کے بارے میں امریکی
پالیسی کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''جب
بھی امریکہ صدام کو گرانے کی کوشش کرتا ہے وہ
سیاسی اعتبار سے اور مضبوط اور طاقت ور ہوکر
ابھرتا ہے اس لئے کہ امریکہ نہیں چاہتا کہ
صدام گر جائے، اس پالیسی کی طرف واضح
الفاظ میں اشارہ کرتے ہوئے امریکی رسالہ
نیوز ویک اپنے ایک شمارہ میں لکھتا ہے کہ ''اگر
صدام نہ ہوتا تو امریکہ کو اسے ایجاد کرنا پڑتا، وہ
مشرق وسطیٰ میں امریکی پالیسی کا محور ومرکز ہے
،اس کے بغیر واشنگٹن صحرا کی ریت میں ناک
ٹوئیاں مار رہا ہوتا'' (نیوز ویک ۱۶ر ستمبر ۱۹۹۲ء،
ص۔۱۷)

یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی اور پوری دنیا کو معلوم ہوگیا کہ امریکہ کی شہ پر ہی عراق نے کویت پر قبضہ کیا تھا تاکہ مشرق وسطیٰ میں امریکی فوجیں اس بہانے موجود رہیں اور کویت کی از سر نو تعمیر کا سہارا لے کر ڈالر اور پٹرول حاصل کئے جائیں، چنانچہ عراقی فوجی طاقت کی بھیانک تصویر پیش کر کے امریکہ نے اپنے حلیف ملکوں کے تعاون سے عراق پر چڑھائی کردی، پھر ہفتوں عراق پر تباہ کن بمباری کا پروپیگنڈہ کر کے عراق کو کویت سے نکالنے کا ڈرامہ کیا گیا۔ اس کے بعد اصل مقصد حاصل کرنے کے لئے بش صاحب اپنے رفقاء کے ساتھ کویت تشریف لے گئے تو اس سہ روزہ دورہ میں انھیں نہ صرف قیمتی تحائف اور ہدایا دیئے گئے بلکہ بش کی واپسی کے بعد انکے رفقاء نے امریکی کمپنیوں کے لئے گراں قدر ٹھیکے حاصل کئے، مثال کے طور پر بش کے دونوں صاحبزادوں نیل و مارون، سابق امریکی وزیر خارجہ جیمس بیکر، وہائٹ ہاؤس کے چیف جان سونونو، خلیجی جنگ کے دوران فوجی آپریشن کے انچارج جنرل تھامس کیلے کو کویت میں برقی سپلائی بحال کرنے اور پٹرول کے کنوؤں کی آگ بجھا کر دوبارہ پٹرول کی بحالی کے ٹھیکے بلا مقابلہ حاصل ہوئے، جیمس بیکر کی کمپنی انرون کارپوریشن اور وسٹنگ ہاؤس کے ساتھ خصوصی معاملہ کیا گیا۔ کمیشن ایجنٹ کی حیثیت سے ذاتی طور پر دو کروڑ ڈالر جیمس بیکر کو اور جان سونونو کو وسٹنگ ہاؤس کے لئے سودے بازی کے سلسلہ میں پیشگی وارننگ دینے والے راڈار کی تنصیب کا معاہدہ کرنے پر ایک کروڑ ستر لاکھ ڈالر ملے، جب کہ پورا ٹھیکہ دو ارب ڈالر کا تھا، خود انرون کارپوریشن اور ونگ میرل کمپنی نے اپنی رپورٹ میں اس کا اعتراف کیا کہ کئی کروڑ ڈالر اس نے اپنے کمیشن ایجنٹوں کو دیئے تھے۔ یہ ساری تفصیلات امریکی جریدہ نیوز ویک کے نمائندہ سیمور ہیرس نے شائع کیں، جو بش کی کویت سے واپسی کے بعد وہاں گیا تھا۔ اس اخباری نمائندہ کے ساتھ کویت فائنانس ہاؤس کے صدر نے گفتگو میں بتایا کہ بیکر اور جنرل کیلئے برقی معاملات میں فنی مہارت تو نہیں رکھتے لیکن ہم کو مجبور کیا گیا کہ اس سودے کو منظور کرلیں۔ حالانکہ بین الاقوامی بینک کے ماہرین نے رائے دی تھی کہ صرف ایک کمپنی کو ٹھیکہ نہ دیا جائے بلکہ عالمی سطح پر ٹینڈر طلب کئے جائیں۔ حالات کا تقاضا بھی یہی ہے کہ کویت اپنے قومی مفاد کا لحاظ رکھے۔ کویت کے وزیر برقیات عبداللہ الامنیسی نے کہا کہ ہم یہ خیال کرتے تھے کہ ہم کویتی عوام کو کم قیمت پر بجلی فراہم کرسکیں گے لیکن انرون کارپوریشن نے دباؤ ڈال کر جو سودے بازی کی، اس میں کویت کو بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑی، کویتی ایوان تجارت کے رکن فیصل المطوع نے کہا کہ امریکی حکومت کے ذمہ داروں نے انرون کارپوریشن کو ٹھیکہ دینے کے

لئے زبردست دباؤ ڈالا، کویتی نیشنل بینک کے صدر ڈاکٹر زیاد تقی اس سودے پر طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ امریکی صدر و وزیر خارجہ اور پورا وہائٹ ہاؤس اسلئے تو کویت نہیں آیا تھا کہ یہاں تفریح کرے، کتنے سادہ و احمق ہیں وہ لوگ جو سمجھتے ہیں کہ امریکہ نے محض کویت کی ہمدردی میں یہ لڑائی لڑی ہے، یہ تو سیدھا سادھا بزنس ہے، امریکہ نے کویت کو آزاد کرایا تو اسکی قیمت وصول کرے گا، گویا امریکہ و عراق دونوں نے مل کر کویت کو قتل کیا، پھر مقتول کا جنازہ بھی اٹھایا اور اس کے فراق میں مرثیہ بھی کہا، یہی ڈرامہ برابر مشرق وسطیٰ کے اسٹیج پر نصف صدی سے پیش کیا جارہا ہے، مشرق وسطیٰ کے بارے میں امریکہ کی دوغلی پالیسی پر طنز کرتے ہوئے ایک خلیجی سیاست داں نے سابق امریکی وزیر خارجہ مسز میڈیلین اولبرائٹ سے جب وہ سعودی عرب کے دورے پر تھیں۔ ایک حکایت بیان کی کہ ایک چرواہا اس بات سے بڑا پریشان تھا کہ بھیڑیا ہر روز اس کے ریوڑ پر حملہ کر کے ایک بکری اٹھالے جاتا ہے، جب وہ تنگ آ گیا تو امریکہ جیسے خیر خواہ نے تجویز پیش کی کہ بکریوں کی حفاظت کے لئے ایک کتا رکھ لیا جائے، لیکن اس کے باوجود بھی بھیڑیا بدستور روزانہ حملہ کر کے بکریوں کا شکار کرتا رہا، یہی صورت حال اس وقت عربوں کی ہے کہ امریکہ اسرائیلی اور عراقی بھیڑیوں کا ہوّا کھڑا کر کے بدستور ان کا شکار کررہا ہے۔

امریکی خارجہ پالیسی کا تجزیہ کرتے ہوئے خود امریکی وزیر خارجہ کے مشیر مسٹر مارٹن انڈیک نے ۱۸ر مئی ۱۹۹۳ء کو ایک بیان میں کہا تھا کہ عراق و ایران کے بارے میں کلنٹن کی پالیسی دوغلی ہے، عراق اور ایران دونوں کے بارے میں یہ طے شدہ پالیسی ہے کہ دونوں کو فوجی طاقت بننے سے ہر قیمت پر روکا جائے۔ اس بنیاد پر امریکہ نے دونوں کی فوجی اور اقتصادی طاقت کو ختم کرنے کے لئے آپس میں لڑایا، دونوں کو اسلحہ بھی دیتا رہا، پھر عراق کے خلاف اقتصادی پابندی بھی عائد کرنے کا فیصلہ کیا گیا، خواہ اس کے نتیجہ میں کتنا ہی جانی نقصان ہوجائے جیسا کہ سابق امریکی وزیر خارجہ مسز میڈیلین اولبرائٹ نے کہا کہ اگر اقتصادی پابندی کے نتیجہ میں پانچ لاکھ عراقی بچے ہلاک ہوگئے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، ایسا ہوتا ہے۔

عراق کے بارے میں امریکی پالیسی اور اس کے خلاف اقدامات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک امریکہ پانچ بار عراق کے خلاف اپنی فوجی مشینری کو حرکت دے چکا ہے، ۱۹۹۳ء، ۱۹۹۴ء، ۱۹۹۶ء، ۱۹۹۸ء اور ۲۰۰۲ء ان تمام فوجی اقدامات کا بنیادی محور یہ ہے کہ خلیج پر اس کا قبضہ باقی رہے تاکہ اس کو پٹرول کی دولت من مانے طریقہ پر ملتی رہے۔ اور اس پورے علاقہ میں صرف اس کا حلیف اسرائیل ہی طاقت ور رہے کہ وہی اس کے مفادات کا اصل محافظ ہے، اسی مقصد سے امریکہ نے وسطی ایشیا کی دولت پر قبضہ کے لئے افغانستان پر یورش کی ہے تاکہ اس علاقہ میں بھی اس کو ایک ایسا صدام مل جائے جو اس کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرے اور کسی قیمت پر بھی برصغیر میں ایٹمی اسلحہ کی طاقت کو بڑھنے نہ دے۔ عراق کے نیشنل گارڈ کی طرح القاعدہ نیٹ ورک کے فرضی نام کا ہوا کھڑا کر کے پوری دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف چوطرفی جنگ چھیڑ دی گئی ہے اور زور و شور سے یہ پروپیگنڈا کیا جارہا ہے کہ پوری انسانیت کو دہشت گردوں سے خطرہ ہے، بن لادن اور القاعدہ کی آڑ میں امریکہ کی قیادت میں تمام اسلام دشمن ساتھ ہوگئے ہیں۔

عراق پر افغانستان کے بعد امریکی حملے کے مقاصد کا تجزیہ کرنے سے مندرجہ ذیل حقائق سامنے آتے ہیں۔

داخلی مقاصد:

۱۔ عراق کے خلاف زبردست پروپیگنڈے اور فوجی اقدام میں غیر معمولی عجلت کا مقصد ان اعلیٰ امریکی افسروں اور حکومتی ارکان کی رسوائیوں پر پردہ ڈالنا ہے جو مالی جرائم میں ملوث ہیں اور جن کی غلط پالیسی کی بدولت بڑی بڑی کمپنیاں دیوالیہ ہوگئیں، بیرونی سرمایہ کاروں نے کھربوں ڈالر واپس لے لئے، کروڑوں ڈالر کے نقصان کے علاوہ امریکی سرمایہ کاری کو بھی غیر معمولی خسارہ ہوا۔

۲۔ نائب صدر ڈک چینی اور امریکی انتظامیہ کے چوٹی کے ذمہ دار چونکہ ان مالی جرائم میں براہ راست ملوث ہیں اس لئے ان کی رسوائیوں پر پردہ ڈال دیا جائے۔

۳۔ امریکہ کی اقتصادی حالت جس جمود اور تعطل سے گذر رہی ہے اور ڈالر مہاراج کی جو درگت بن رہی ہے، پھر کھربوں ڈالر کے سودی قرضے جس طرح امریکہ کی کمر توڑ رہے ہیں ان سے چھٹکارا حاصل کیا جائے، تاکہ بیکاری اور افراط زر پر قابو پایا جائے۔

۴۔ افغانستان میں امریکہ کو جو ناکامی ہوئی ہے، خصوصاً پنٹاگن اور ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی رسوا کن تباہی کا پورا بدلہ لینے میں ناکامی پر پردہ ڈالنا اور عوام کی توجہ ہٹانا ہے تاکہ درمیانی مدت کے انتخابات لئے ووٹ بٹورے جائیں۔

علاقائی مقاصد:

۱۔ مشرق وسطیٰ میں صرف اور صرف اسرائیل ہی محفوظ اور طاقت ور رہے، اور تمام پڑوسی ملکوں پر اس کا تفوق اور برتری قائم رہے۔

۲۔ مشرق وسطیٰ کے سیال سونے کی مغربی ملکوں کو سپلائی، اس قیمت پر جو امریکہ متعین کرے، اس کے ساتھ ان تمام اسباب ومحرکات کا خاتمہ جو پٹرول کی مسلسل اور پرامن سپلائی میں رکاوٹ بنیں اور ان تمام آوازوں کا خاتمہ جو امریکی برتری کے خلاف احتجاج کریں۔

۳۔ مشرق وسطیٰ کی تمام دولت وثروت حتیٰ کہ سیاسی عزائم پر بھی غلبہ اور برتری امریکہ کا بنیادی مقصد ہے۔

۴۔ عرب اسرائیل کشمکش میں عراق کے وجود کو کمزور کرنا۔ اس مقصد کے لئے عراق کے مختلف حصوں کو قومیتوں اور گروہوں کے اعتبار سے تقسیم کرنا، اس کے داخلی معاملات میں انتشار پیدا کرنا۔

۵۔ سائس بیکو معاہدہ کو نئی شکل میں ازسر نو نافذ کرنا تاکہ عالم عربی پھر سے ٹکڑیوں میں بٹ جائے۔

۶۔ قضیہ فلسطین کو ہمیشہ کے لئے اس طرح حل کرنا کہ اردن اور عراق میں فلسطینیوں کو بسا دیا جائے، نوجوانوں کو تعلیم و ملازمت کے بہانے دنیا کے مختلف ملکوں میں منتشر کر دیا جائے۔

۷۔ امریکہ عراق پر بمباری کر کے کردستان کے مسئلہ کو اس طرح حل کرنا چاہتا ہے کہ خود کردوں کے نزدیک وہ قابل قبول ہو، اور وہ پوری طرح امریکہ کے حلیف ہوں تاکہ اس کے روایتی حلیف ترکی کے لئے کوئی الجھن نہ پیدا کریں۔ کردوں کی حکومت کے قیام کا ایک بنیادی مقصد یہ بھی ہے کہ اسرائیل کی طرح کردستان بھی شام وعراق اور ترکی وایران کے لئے مشکلات ومسائل کھڑے کرتا رہے۔ یہ بات واضح رہے کہ ان چاروں ملکوں میں جو نہریں بہتی ہیں ان سب کے دہانے کردستان میں ہیں، امریکہ کردستان پر قبضہ کر کے عراق و شام کے خلاف پانی کا اسلحہ استعمال کرے گا چونکہ ترکی کے تازہ انتخابات میں اسلام پسندوں کا غلبہ ہوا ہے، اس لئے امریکہ یہ کارڈ بہت جلد استعمال کرنے والا ہے۔

۸۔ شام کو اپنے حدود میں رکھنا اور اس کو مصر واردن کی طرح اسرائیل کے ساتھ پرامن معاہدہ کے ذریعہ منسلک کرنا، تاکہ وہ لبنان سے اپنی فوجیں واپس بلالے، حزب اللہ اور فلسطینیوں کی امداد بند کر دے، ورنہ عراق کی طرح شام کے خلاف بھی کیمیائی اسلحے کی تیاری جیسے الزامات لگا کر شامی لیڈروں کو مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کرنا امریکہ کے لئے بہت آسان ہے۔

۹۔ عراق وافغانستان اور پاکستان کے طرز پر ایران کو امریکی نگرانی میں لینا، تاکہ وہاں ایٹمی اسلحہ تیار نہ ہو سکے، اس طرح پورا مشرق وسطیٰ اور وسطی ایشیا، مشرق بعید تک امریکی دائرہ اثر میں آجائے گا۔ امریکہ کے کھلے چھپے یہی مقاصد ہیں ان ہی کو حاصل کرنے کے لئے پاگل ہاتھی کی طرح پوری دنیا میں تباہی پھیلا رہا ہے۔

۱۰۔ عالم اسلام میں قائم دکٹیٹرشپ کا خاتمہ اس کی جگہ نئے چہروں اور نئے ایجنٹوں کی تقرری۔

۱۱۔ عرب قوم پرستی اور اسلامی رجحانات کو فروغ دینا، اس کے ساتھ ان کی قوت واقتدار کو کم کرنا تاکہ اپنے مقاصد اور سیاسی پروگرام کو وہ بروئے کار نہ لاسکیں، انھیں اقتدار کی کرسی کے معاملہ میں باہم دست وگریبان کرنا تاکہ خود بخود ان کا رول غیر مؤثر ہو جائے۔

۱۲۔ پورے عالم عربی کو امریکی سانچہ میں اس طرح ڈھال دینا کہ امریکی ثقافت وتہذیب وعادات واطوار اور اخلاق واقدار یہاں تک کہ ان کا طرز فکر خالص امریکی ہو کر رہ جائے۔

عالمی مقاصد:

۱۔ مشرق وسطیٰ پر قبضہ مستحکم کرنے کے بعد تمام بڑی طاقتوں کو اتنا بے اثر کر دینا کہ وہ اس علاقہ کی طرف نظر اٹھانے کی بھی جرأت نہ کر سکیں۔

۲۔ جاپان اور یورپی اتحاد کو صنعتی میدان سے بے دخل کر دینا، یہ اسی وقت ممکن ہے جب امریکہ وسطی ایشیا اور مشرق وسطیٰ کے سیال سونے کے ذخائر پر بلا شرکت غیرے قابض ہو جائے۔

۳۔ عالمی مسائل و مشکلات اور تنازعات کو حل کرنے میں پوری دنیا پر امریکی نقطۂ نظر مسلط کر دینا، حتیٰ کہ اقوام متحدہ اور سلامتی کونسل کے رول کو بھی بے اثر کر دینا تاکہ عراق کے مسئلہ پر جو صورت حال پیش آئی ہے اس کا اعادہ نہ ہو سکے۔ (جاری)

انٹرویو

ویسٹ یونیورسٹی کے اُردو کے پروفیسر ڈاکٹر تھومس ڈنہارٹ سے

اردو زبان وتہذیب کے موضوع پر ایک گفتگو

محمد اکرم ندوی آکسفورڈ

س: ڈاکٹر صاحب، تصوف اور ہندوستانی تہذیب سے آپ کے تعلق کے تناظر میں کیا آپ اس موضوع پر اپنی بعض علمی کاوشوں کا تذکرہ کریں گے؟

ج: مولانا ابوالحسن زید فاروقی کی فارسی تصنیف مناہج السیر ومدارج الخیر کا اطالوی زبان میں ترجمہ وتشریح تصوف سے میرے تعلق کی ابتدا ہے، اس پر مجھے وینس یونیورسٹی نے ایم۔اے کی ڈگری دی، جون ۱۹۹۹ء میں کبیر کی پانسو سالہ برسی کے موقع پر جرمنی کے شہر ہیدابرگ میں منعقد ایک کانفرنس میں مجددی مظہری سلسلہ اور کبیر پنتھ سے اس کے تعلق کے موضوع پر ایک مقالہ پیش کیا، اپریل سنہ ۲۰۰۲ء میں وینس کی روحانیت کے موضوع پر بین الاقوامی کانفرنس میں میں نے ''خضر سے ملاقات اور باقی کارمز'' کے موضوع پر ایک مقالہ پیش کیا، میں نے مئی سنہ ۲۰۰۰ء میں ویریشہ اٹلی میں ایک کانفرنس میں شرکت کی، میرے پیش کردہ مقالہ کا موضوع تھا ''تصور اور بھکتی تحریک''۔

س: اُردو زبان سے آپ کو دلچسپی کس طرح پیدا ہوئی۔

ج: وینس یونیورسٹی کی طالب علمی کے دوران مجھے ہندوستانی تہذیب سے دلچسپی ہوئی بی۔اے میں ہندی زبان وادب کے مضمون نے اس رشتہ کو مزید مضبوط کیا، چونکہ مسلمانوں کی تاریخ و تہذیب ہندوستانی تہذیب کا ایک اہم حصہ ہے، یہیں سے اسلامی تہذیب وتمدن سے میری دلچسپی کا آغاز ہوا، میں نے وینس ہی میں اردو زبان کا ایک دوسالہ کورس مکمل کیا۔

س: آپ کے خیال میں ہندوستانی تہذیب کی کیا خصوصیات ہیں؟

ج: ہندوستانی تہذیب کا سب سے زیادہ پر کشش پہلو مختلف مذاہب وقومیت کا باہمی رہن سہن ہے، ہندوستان کے لوگ بنیادی طور پر مذہبی اور روحانیت پسند ہیں، مذہب کو یہاں اساسی اہمیت حاصل ہے، اسی لئے مجھے یہاں کے مذاہب سے دلچسپی ہوئی، میرے خیال میں روحانیت میں ہندوستان کے تمام باشندے متحد ہیں، اختلاف کی بنیاد سماجی مسائل ہیں، نفرت ہندوستان کے لئے اجنبی ہے، یہ ایک عارضی چیز ہے، مذہب اور روحانیت کی طرف رجوع اس نفرت کو شکست دے سکتی ہے، تصوف چونکہ رواداری وانسانی محبت کا محور رہا ہے اس لئے مجھے تصوف سے خصوصی عقیدت ہے۔

س: مناہج السیر ومدارج الخیر سے آپ کو کیسے دلچسپی ہوئی؟

ج: بی اے ختم کرنے کے بعد میں نے وینس یونیورسٹی کے ایک پروفیسر سے مشورہ کیا تھا کہ میں تصوف اور بھکتی تحریک پر کام کرنا چاہتا ہوں، خوش قسمتی سے یہ مشورہ میرے لئے علمی روحانی فتوحات کا پیش خیمہ ثابت ہوا، ان کے مشورہ سے میں انڈین انسٹی ٹیوٹ فار اسلامک اسٹڈیز کے ڈائرکٹر جناب سید اوصاف علی کی نگرانی میں کام کرنے کے لئے دلی آگیا، انھوں نے مجھے بہت سی کتابیں مطالعہ کے لئے دیں، کچھ دنوں کے بعد شعبہ تصوف کے سربراہ پروفیسر حبیب اللہ صاحب کی معیت میں شاہ ابوالحسن زید فاروقی سے ملاقات کی، ان سے میری پہلی ملاقات سنہ ۱۹۹۱ء میں ہوئی، یہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا، میں نے اس وقت حضرت مرزا مظہر جان جاناں، شاہ غلام علی دہلوی اور شاہ ابوسعید مجددی کی قبروں کی زیارت کی، جب میں حاضر ہوا شاہ صاحب اپنے کچھ مریدوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے اچھی طرح استقبال کیا، لیکن ضعیف العمری اور رمضان کی مصروفیات کی وجہ سے زیادہ وقت دینے سے معذرت کر دی، میں نے ان کی کتاب مناہج السیر ومدارج الخیر کا تذکرہ کیا، اور عرض کیا کہ تصوف سے میری ناواقفیت کی وجہ سے اس کی بہت سی اصطلاحات میری سمجھ میں نہیں آئیں، شاہ صاحب نے اس کتاب کا اردو ترجمہ مجھے دیا، اور مجھ سے فرمایا کہ میں کوئٹہ جا کر ان کے بھتیجے شاہ ممر صاحب سے ان اصطلاحات کو سمجھوں اور تصوف کے موضوع پر ان سے استفادہ کروں، میں دوسال کے بعد کوئٹہ گیا، جہاں میں نے کافی استفادہ کیا، اور بہت سی کتابیں حاصل کیں۔

س: اردو کے شعراء میں کس کا کلام آپ کو زیادہ پسند ہے؟

ج: چونکہ میری نشوونما اردو کے ماحول سے دور ہوئی ہے، اس لئے اردو شاعری کے متعلق میرا نقطہ نظر مختلف ہے، اردو شاعری سے میری دلچسپی نعت کے ذریعہ ہوئی ہے، شاہ ابوالحسن زید فاروقی کی خانقاہ میں نعت کا چرچا رہتا تھا۔ وہیں سے میں اردو شاعری کی اس صنف سے مانوس ہوا، نعت کے شعراء کے علاوہ میں سب سے زیادہ ولی دکنی سے متاثر ہوں،، ان کی عوامی شاعری ہندوستانی تہذیب کی بہترین ترجمان ہے، گزشتہ سال جب یہ خبر ملی کہ ان کے مزار کی بے حرمتی کی گئی تو اس سے مجھے بہت سخت تکلیف ہوئی، تصوف سے لگاؤ کی وجہ سے مجھے میر درد کی شاعری سے بھی بڑی عقیدت ہے۔ میر تقی میر کے سوز ودرد میں جو تاثیر ہے اسکی نظیر بمشکل ملے گی، لوگ میر تقی میر کا شیدا سے موازنہ کرتے ہیں،

لیکن واقعہ یہ ہے کہ میر تقی میر اپنی نظیر آپ ہیں، غالب کی شاعری کے لئے بڑی مشکل ہے، ابھی تک میں نے غالب کی شاعری کا اتنا مطالعہ نہیں کیا کہ اس کے بارے میں کچھ کہہ سکوں۔

س: اردو نثر نگاروں کے بارے میں کچھ فرمائیں۔

ج: اردو نثر میں مولوی نذیر احمد کی چیزیں مجھے بہت پسند آئیں، انیسویں صدی کے آخر میں اردو نثر کی اصلاح کی جو کوشش شروع ہوئی تھی اس میں شک نہیں کہ مولوی نذیر احمد نے اس تحریک کو آگے بڑھانے کا بڑا کام کیا، ان کی تحریریں اصلاحی ادب کا بہترین نمونہ ہیں، مجھے قرۃ العین حیدر کی تحریریں بھی پسند ہیں، اور انھیں دلچسپی سے پڑھتا ہوں، پریم چند کے افسانے عام ہندوستانی عوام کے خدوخال واضح کرنے میں بے مثال ہیں، ان کی تحریر کی سادگی اور حقیقت پسندی نے انھیں اردو اور ہندی ادب میں زندہ جاوید بنا دیا ہے۔

س: آپ طلبہ میں اردو سے کس طرح دلچسپی پیدا کرتے ہیں؟

ج: میں عام طور سے اپنے لکچرز کا آغاز اُردو میں بات سے کرتا ہوں، کوشش کرتا ہوں کہ دوسرے بات سمجھ سکیں، میں قواعد سے ان کو بوجھل نہیں کرتا، اردو سے طلبہ کی دلچسپی کی بڑی تعداد ہے ان میں سے اکثر نے ایک سال کے بعد دوسرے سال میں تعلیم جاری رکھی، وہ بنیادی چیزوں کا مطالعہ اُردو میں کر سکتے ہیں، ان میں سے بعض طلبہ اُردو کی مزید تعلیم کے لئے پاکستان اور ہندوستان کے مختلف اداروں میں داخلہ کی کوشش کر رہے ہیں۔

س: ہندوستان میں اردو کے مستقبل کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

ج: بظاہر ہندستان میں اردو کا مستقبل روشن نہیں، اس کی وجہ یہ کہ غلطی سے اُردو کو مسلمانوں سے وابستہ کر دیا گیا ہے، حالانکہ اُردو مکمل طور پر مسلمانوں کی عکاس نہیں ہے۔ ہندوستان کی موجودہ تعلیمی پالیسی کی وجہ سے خطرہ ہے کہ کہیں اردو اپنا تشخص نہ کھودے، اردو اگرچہ مسلمانوں کے عہد زوال میں ایک مکمل زبان کی حیثیت سے وجود میں آئی، لیکن پھر بھی وہ ترقی کرتی گئی کیونکہ مسلمانوں کے اندر خود اعتمادی اور تشخص کی طاقت موجود تھی، اب مسلمانوں کی اندرونی خطرہ روز بروز کمزور ہوتی جارہی ہے۔

س: محبان اردو کے لئے آپ کا کیا پیغام ہے؟

ج: زبان قوم کی اندرونی طاقت سے ابھرتی ہے، اردو والوں کو اپنی تہذیب، اپنے تشخص اور اپنی زبان پر اعتماد بحال کرنا ہوگا، یہ بات واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان نہیں ہے بلکہ یہ سرزمین ہند کی امانت ہے، اردو میں تمام ہندوستانیوں کو اپیل کرنے کی طاقت ہے، اُردو زبان کی خوبصورتی سے کس ہندوستانی کو انکار ہوسکتا ہے، ہر ہندوستانی غزل سے لطف اندوز ہوسکتا ہے، اس طرح مثنوی ہندوؤں اور مسلمانوں کے مشترکہ موضوعات کی وارث ہے۔

س: دیار غیر میں اردو کا تحفظ کس طرح ہوسکتا ہے؟

ج: مغربی ممالک میں اردو سے بڑی دلچسپی ہے، ان ممالک میں اردو بولنے والوں کی اچھی خاصی آبادی ہے، یہاں علوم وفنون مشرقیہ کے شعبوں میں اردو اور اردو کلچر کی تعلیم ہوتی ہے، اُردو زبان کی اپنی طاقت ہے، میرے طلبہ عام طور پر مجھ سے اس موضوع پر گفتگو کرتے ہیں کہ دور حاضر سے اردو کا کیا تعلق ہے، میں اس پر زور دیتا ہوں کہ اردو کی کلاسیکی شاعری منفرد ہے، یہ زمان ومکان سے ماوراء ہے، زمان ومکان کا اختلاف اس کی لذت اور افادیت پر اثر انداز نہیں ہوسکتا، معاصر زبان کی حیثیت سے یہ پاکستان کی قومی زبان ہے، پاکستان میں اس کا حاضر ہے ماضی نہیں، ہندوستان میں اس کا ماضی ہے، حاضر نہیں۔ لیکن ہندوستان میں مشکلات کے باجود یہ بولی اور سمجھی جاتی ہے اور لکھی اور پڑھی جاتی ہے، ہندوستان کے ہر گوشہ میں اردو والوں کی ایک معتد بہ تعداد موجود ہے، یہی نہیں بلکہ ہندوستان کے پڑوسی ممالک جیسے سری لنکا وغیرہ میں بھی اس کے چاہنے والوں کی ایک تعداد ہے۔

س: آپ جرمن، اطالوی، اور انگریزی زبان سے خوب واقف ہیں، ان زبانوں کے مقابلہ میں آپ کے نزدیک اردو کا امتیازی پہلو کیا ہے؟

ج: اردو ہندوستانی تہذیب کا مرقع ہے، یہ تنہا ایک ایسی زبان ہے، جو مختلف زبانوں اور تہذیبوں کی نمائندہ ہے، تمام زبانیں مختلف علاقوں اور نسلوں کی نمائندہ ہیں، اردو کا کوئی علاقہ نہیں، یہ کسی جگہ کی پابند نہیں، اس کے اندر ہر جگہ میں نشو نما پانے کی صلاحیت ہے، اور ہر مقامی تہذیب سے استفادہ کرکے اس کی علاقائی زبان بن سکتی ہے، ایک طرف یہ ایک علاقہ سے ماوراء زبان ہے، دوسرے طرف ہر علاقہ کے لوگوں کو یہ اپنی زبان لگتی ہے، دکنی اردو، دہلوی اردو سے مختلف ہے، یہی نہیں بلکہ بیجاپور کی اردو، حیدرآباد کی اردو سے مختلف ہے، اردو ہندوستانی تہذیب کے تنوع کی نمائندہ ہے۔

س: آخر میں آپ اردو والوں کے نام اپنا کوئی پیغام دینا چاہیں گے؟

ج: میری گذارش ہے کہ اردو والے اپنی زبان پر فخر کریں، اس قیمتی سرمایہ کی حفاظت کریں اور اسے مزید ترقی کی راہ پر گامزن رکھیں، اپنے لسانی تشخص پر شرم محسوس نہ کریں، عدم تحفظ کے عقدہ سے باہر آئیں گمنام قومیں اپنی مردہ زبانوں کی مسیحائی میں لگی ہوئی ہیں، تہذیب وتاریخ کے عظیم سرمایہ سے لبریز یہ زندہ زبان خود اپنی زمین میں اپنوں کے ہاتھوں یوں بے بس ہو! اپنی قیمتی زبان پر اعتماد بحال کریں، یہ زبان آپ کو سہارا دے سکتی ہے۔

وفیات

مولانا سید ابوبکر حسنی ندویؒ

ایک باذوق صاحب علم اور ستودہ صفات انسان

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

دائرہ شاہ علم اللہ ضلع رائے بریلی کے حسنی خاندان کی معروف شخصیت مولانا سید ابوبکر حسنی نے ۱۴ر دسمبر ۲۰۰۲ء (سنیچر) کو اس دار فانی سے دار باقی کی طرف کوچ کیا۔ وہ ایک جدید و قدیم دونوں نظامہائے تعلیم کے فیض یافتہ تھے، انھوں نے پہلے ندوۃ العلماء میں کئی سال تعلیم حاصل کی، پھر جدید نظام تعلیم سے استفادہ کرکے ایم۔اے کی ڈگری حاصل کی یہ وہ دور تھا، جب مسلمانوں میں تعلیم کی طرف توجہ کی کمی تھی، اور ہائی اسکول تک کی تعلیم کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، لیکن مولانا جس خانوادہ کے فرد تھے اس میں دینی تعلیم کی توجہ کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم کی طرف بھی توجہ کی جاتی تھی چنانچہ ان میں سے بعض نے اسی دور میں جو گذشتہ صدی کے نصف اول کا زمانہ تھا، برطانیہ اور بعض نے جرمنی اور بعض نے امریکہ بھی جاکر تعلیم حاصل کی، لیکن بعض نے دونوں نظامہائے تعلیم سے فائدہ اٹھایا ان میں سرفہرست مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے بڑے بھائی مولانا ڈاکٹر حکیم سید عبدالعلی صاحبؒ تھے، ان کے پھوپھا مولانا سید طلحہ صاحب نے بھی دونوں تعلیموں کو جمع کیا اور ان ہی میں مولانا سید ابوبکر حسنی بھی تھے۔

مولانا ابوبکر حسنی صاحب رشتہ میں مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے چچا زاد بھائی بھی ہونے کے ساتھ لگ بھگ ایک ہی عمر کے تھے! اور دونوں نے اپنا بچپن اور اپنی تعلیمی زندگی ایک ہی گھر میں رہ کر گذاری، وہ گھر مولانا علی میاںؒ صاحب کے بڑے بھائی مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلیؒ صاحب کا تھا، ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تعلیمی زندگی اولاً علوم دینیہ کی مکمل تحصیل میں لگانے کے بعد اپنی عصری تعلیم سائنس کے شعبہ کے تحت B.Sc. تک نمایاں کامیابی کے ساتھ حاصل کی تھی اور پھر M.B.B.S. کیا وہ شہر لکھنؤ کے ممتاز معالج تھے اور مولانا علی میاں اور مولانا ابوبکر حسنیؒ سے تقریباً بیس سال بڑے ہونے کی بناء پر دونوں کے سرپرست کی حیثیت رکھتے تھے اول الذکر ان کے چھوٹے بھائی اور والد کی جلد وفات ہوجانے کے باعث اصل سرپرست تھے اور ثانی الذکر ان کے چچا زاد بھائی ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی اہلیہ کے حقیقی بھانجہ تھے، چنانچہ دونوں حضرات یعنی مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اور مولانا ابوبکر حسنی صاحبؒ کا ابتدائی دور ایک ساتھ گذرا اگرچہ تکمیل تعلیم کے بعد دونوں نے زندگی کا میدان عمل الگ الگ اختیار کیا، مولانا ابوبکر حسنی نے ایم۔اے عربی زبان میں کیا اور کانپور کے حلیم کالج میں عربی کے استاد مقرر ہوئے اور نو سال عربی زبان کی تعلیم میں گذارے اس سلسلہ میں انھوں نے اپنی عصری تعلیم کے راستہ سے جو فنی اور تکنیکی طریقہ سے واقفیت حاصل کی تھی اس کو عربی کی تعلیم میں بھی اختیار کیا، اور اس میں انھوں نے اپنا طرز علاحدہ سے بنایا وہ مواد تعلیم کو طالب علم کے لئے مرغوب بنا کر پیش کرتے تھے، اور اس کے لئے وہ محسوساتی مثالوں سے کام لیتے تھے اس طرز پر بعد میں انھوں نے ایک کتاب بھی تیار کی تھی جس کو "الدروس العربیہ السھلۃ" نام دیا تھا، جو دارعرفات رائے بریلی نے شائع کیا تھا، مولانا کو حلیم کالج میں نو سال گذرنے پر آل انڈیا ریڈیو دہلی کے شعبۂ عربی میں جگہ مل گئی وہاں وہ منتقل ہوکر عربی کے نشریاتی پروگراموں کی انجام دہی کرنے لگے پھر ان کو جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں عربی کے استاد کی جگہ مل گئی، وہ اس طرح پھر تعلیم کے شعبہ میں آگئے اور وہیں سے اپنی ساٹھ سال کی مدت گزرنے پر ریٹائر ہوئے۔

ریٹائر ہونے پر وہ رائے بریلی کے قصبہ تیندوا میں واقع عربی دینی درسگاہ فلاح المسلمین میں آگئے اور کئی سال وہاں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے، عمر کے آخری دس بارہ سال انھوں نے ذاتی مصروفیات میں گذارے اور اس دور میں وہ زیادہ تر دہلی میں رہے، جہاں ان کی صاحبزادی اور حقیقی بھانجہ مقیم تھے، مولانا کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی، ان کے بھانجہ مولوی سید خالد حسنی ندوی جو ان کے داماد بھی تھے ان کی اولاد کی طرح تھے، وہ اپنی اہلیہ یعنی مولانا کی صاحبزادی کے ساتھ دہلی میں رہ رہے ہیں، اور سعودی سفارتخانہ میں ملازم ہیں، لہٰذا مولانا نے اپنی یکسوئی کی زندگی انہی کے ساتھ گذاری لیکن اس دور میں وہ زیادہ تر علیل رہے، کبھی صاحب فراش بھی ہوجاتے تھے، آخر میں علالت کا سلسلہ مستقلاً قائم رہنے لگا، بالآخر ۱۴ر دسمبر کو (شوال المکرم ۱۴۲۳ھ) کو تقریباً نوے سال کی عمر میں وفات پائی۔

مولانا ابوبکر صاحب حسنی اپنے والد مولانا سید عزیز الرحمٰن حسنی کے اکلوتے بیٹے تھے، ان کی تین بہنیں تھیں جن میں سے دو کا انتقال ان سے پہلے ہوگیا، تیسری بہن باحیات ہیں (بارك الله فی حیاتها) اگرچہ بہت کمزور صحت بلکہ مسلسل علالت کی حالت میں ہیں، ان کے لئے مولانا ابوبکر حسنی صاحب کی وفات کا سانحہ سخت سانحہ ہے، اس طرح مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حقیقی پسماندگان میں ایک بہن، ایک صاحبزادی ایک بھانجہ چھوڑا، وہ ان کو اور اپنے دیگر عزیزوں کو رنج کی حالت میں چھوڑ کر اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔

مولانا ابوبکر حسنی صاحب بڑے مرنجان مرنج اور خوش مزاج اور دوست نواز شخصیت کے مالک تھے۔ وہ اپنے بڑوں سے ربط وتعلق کے ساتھ ساتھ اپنے چھوٹوں بلکہ خاندان کے بچوں اور خاندان سے باہر کے بچوں سے بھی انس و محبت کا برتاؤ کرتے تھے اور تعلیم کا ڈھنگ تو ایسا تھا کہ بچے بھی ان سے بہت مانوس ہوتے تھے اور ان کے اسباق میں بہت ذوق وشوق سے شریک ہوتے تھے۔ مولانا اپنی اس خوش اخلاقی کے ساتھ ساتھ زندگی کے تہذیبی واخلاقی طریقہ کو نافذ کرنے سے بھی بڑی دلچسپی رکھتے تھے۔ اور تہذیبی واخلاقی طور وطریق کی کمی دیکھتے تو اس کو نظر انداز نہ کرتے، بلکہ فوراً ٹوکتے اور اس کے لئے تنبیہ کا طریقہ اختیار کرتے اگرچہ تنبیہ کا ان کا یہ طریقہ زبانی سے آگے نہ بڑھتا وہ الفاظ کی مار کو کافی سمجھتے، اس سے زیادہ کو اختیار نہ کرتے تھے اور جہاں تک ہمدردی اور تعاون کا معاملہ ہوتا تو اس میں بھی ایثار رکھتے تھے، کسی کے کام آسکیں، کسی کے مسئلہ کو حل کرسکیں، کسی کو فائدہ پہونچاسکیں، یہ ان کا خاص انداز تھا، چنانچہ اپنے کئی عزیزوں کو عملی زندگی میں آگے بڑھنے اور کامیابی کے راستہ پر ڈالنے کا ذریعہ بنے۔

مولانا مرحوم خوش مذاق بھی تھے، زندگی کی جائز سہولتوں اور نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کا ذوق رکھتے تھے۔ اپنی صحت اور قوت کے زمانہ میں کھیلوں میں بھی امتیاز پیدا کیا تھا۔ چنانچہ والی بال میں اپنے وطن کے اندر نام پیدا کیا، اور ہاکی میں آل یوپی ٹیم کے اہم فرد تھے اور یہ سلسلہ ان کا حلیم کالج کے استاد ہونے کے زمانہ تک جاری رہا، اور عمر کے کمزوری کے مرحلہ میں داخل ہونے پر بند ہوا۔

مولانا مرحوم نے اپنے آل انڈیا ریڈیو دہلی سے وابستگی کے زمانہ میں ایک سال کے لئے قاہرہ جانے کے موقع سے بھی فائدہ اٹھایا اور وہاں قاہرہ میں ایک سال عربی کے عملی میدان میں بھی اپنی واقفیت کو بڑھایا اور اس سے اپنی عملی زندگی میں فائدہ اٹھایا، وہاں انھوں نے صحافتی اسلوب نگارش اور ترجمہ کو وہاں کے ماہرین سے سمجھنے کی فکر کی، اور پھر ہندوستان آکر ایک کتاب کی صورت میں مرتب کیا، جس میں مختلف نمونے بطور مثال کے انھوں نے جمع کئے تھے۔ اور یہ بتانے کی کوشش کی تھی کہ اسلوب نگارش مختلف قسموں میں بٹا ہوا ہے۔ مقالہ کا اسلوب الگ ہوتا ہے، اور صحافتی خبروں اور تبصروں کے اسلوب الگ ہوتے ہیں، جس دائرہ کا کام ہو اس دائرہ کا اسلوب اختیار کرنا چاہئے، خود ان کے اسلوب نگارش میں اس کا اہتمام ملتا تھا ان کے اس مجموعہ سے ان کے قریب کے عربی کے شائقین نے فائدہ بھی اٹھایا، قاہرہ میں روزنامہ ''الاخبار'' کے مدیرین سے بھی انھوں نے اس سلسلہ میں استفادہ کیا۔ ان کا یہ سفر حکومت ہند کی جانب سے ہوا تھا اور یہ وہ زمانہ تھا جب مولانا ابوالکلام آزاد وزیر تعلیم تھے۔

مولانا ابوبکر حسنی صاحب کا ملت کے قائدین اور اپنے وقت کے بزرگوں سے تعلق رہا، وہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب سے بیعت بھی تھے اور ان کی خدمت میں جایا کرتے تھے اور اس تعلق سے جمعیۃ العلماء ہند اور اس سے تعلق رکھنے والے متعدد مسلم سیاسی شخصیتوں سے بھی ان کا تعلق ہوتا رہا، وہ حضرات بھی ان کو قدر کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان کا حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے فرد ہونے کی وجہ سے بڑا خیال کرتے تھے، شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے مولانا ابوبکر حسنی صاحب کے والد مولانا سید عزیز الرحمٰن صاحب بھی بیعت تھے اس طرح تعلق دوہرا ہوگیا تھا۔

مولانا نے اپنی عصری تعلیم لکھنؤ یونیورسٹی سے حاصل کی تھی یونیورسٹی جانے سے قبل امیر الدولہ اسلامیہ کالج اور شیعہ کالج لکھنؤ میں تعلیم حاصل کی تھی، ان کا نام اگرچہ ابوبکر تھا لیکن اس سے ان کو شیعہ کالج میں دشواری نہیں پیش آئی، ان کی خوش مذاقی اور دوست نوازی کے سبب ان کے رفقاء تعلیم بھی ان سے بہت مانوس رہتے تھے۔ اور ان کی قدر کرتے تھے۔ خاص طور پر یونیورسٹی کے زمانۂ تعلیم میں ان سے ان کے اساتذہ ورفقاء بہت مانوس ہوئے۔

مولانا اپنی صحت کے پورے دور میں مطالعہ سے بھی خصوصی دلچسپی رکھتے رہے، عربی کے اچھے انشاء پردازوں کی تحریروں کا ذوق و شوق سے مطالعہ کرتے اور ان کی خصوصیت کو سمجھتے اور قدر کرتے تھے، اپنے قاہرہ کے دوران قیام سے انھوں نے عربی کے اچھے انشاء پردازوں کی تصنیفات کا اچھا مجموعہ اکٹھا کرلیا تھا جو وہ اپنے ساتھ ہندستان لائے تھے۔ انھیں کئی

ادیبوں سے خصوصی دلچسپی تھی اور بعد میں استاذ علی طنطاوی کی ادبی تحریروں کو بہت قدر و پسندیدگی سے دیکھنے لگے تھے۔

مولانا کے اس ذوق ادبی کا اثر خود ان کی تحریروں پر پڑا تھا، ان کا خود عربی لکھنے کا اچھا اسلوب بن گیا تھا۔ انھوں نے اپنے ملک کے عربی پرچوں ''البعث'' ''الرائد'' وغیرہ میں مختلف موضوعات پر اپنی آراء وتاثرات تحریر کئے جو قارئین نے بہت پسند کئے۔ وہ عربی کے جدید اسٹائل کو بھی خوب سمجھتے تھے، اور اپنے طلباء کو اس سے واقف کرانے کی کوشش کرتے تھے، جواہر لال نہرو یونیورسٹی سے وابستگی کے زمانہ میں انھوں نے I.F.S. کے طلباء کو بھی عربی پڑھائی تھی۔ اس کے نتیجہ میں انڈین فارن سروس کے متعدد ملازمین کا ان سے شاگردی کا جو تعلق قائم ہوا تھا اس کو ان ملازمین نے آخر تک مانا، اس کے علاوہ بھی یونیورسٹی اور اس سے قبل کے حلیم کالج کے زمانہ کے ان کے طلباء ان کے ہمدردانہ تعلیمی رویہ کے قدرداں رہے اور جب ان سے ملتے تو اسی قدر ولحاظ سے ملتے تھے۔

عربی کے علاوہ انگریزی زبان میں بھی ان کو اچھا ذوق حاصل تھا، انگریزی میں بھی ان کی تحریروں کو قدر و پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا اور پڑھا جاتا تھا۔ فلاح المسلمین (امین نگر تیندوا، رائے بریلی) میں اپنے زمانہ تدریس میں انھوں نے طلباء کو انگریزی پڑھانے میں بھی طلباء پر اپنے اس ذوق مہارت کے نقوش چھوڑے۔

مولانا مرحوم میں ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ دین داری بھی خاصی تھی، اور وہ زندگی میں پیش آنے والی تکالیف اور پریشانیوں کو اللہ تعالیٰ کی مرضی سے جوڑتے تھے اور امراض کے علاج میں نیک اعمال کو مفید قرار دیتے تھے بلکہ بعض وقت وہ بعض برائیوں کے بارے میں یہاں تک کہتے تھے کہ ان سے فلاں فلاں تکلیف یا مصیبت آسکتی ہے نمازوں کی باجماعت پابندی کے علاوہ اوراد وتلاوت کے پورے پابند تھے، اور رمضان کے مہینہ میں زیادہ انہماک سے اس کے معمولات پورے کرتے تھے۔

مولانا مرحوم اپنے والدین کے ساتھ حق سعادت مندی پوری طرح ادا کرتے رہتے تھے ان کی ہدایات اور پسند کا پورا لحاظ کرتے تھے اور ان کے آرام کی فکر اپنی پوری استطاعت کے ساتھ کرتے تھے، ان کا انتہائی ادب کرتے تھے اور ہمیشہ ان کو خوش رکھا، انھوں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ان دونوں کے تعلق والوں کے ساتھ بھی محبت وتعلق کا برتاؤ کرتے رہے۔ اپنی حقیقی بہنوں کے ساتھ بھائی ہونے کا حق نہایت بہتر طریقہ سے ادا کرتے رہے، ان کے علاوہ بھی خاندانی تعلق ہو یا رفاقت عمل کا یا ملنے جلنے کا تعلق ہو سب کو وہ خوش اخلاقی، ہمدردی اور موانست کے ساتھ نباہتے تھے، مجھ سے ان کا تعلق خاندانی لحاظ سے میرے والد کی طرف سے بھائی کا اور میری والدہ کی طرف سے ماموں کا تھا، لیکن اس طرح بے تکلفی اور محبت سے پیش آتے کہ ماموں ہونے کا تعلق دب گیا تھا اور بھائی کا تعلق ہی چھا گیا تھا یہ ان کی خوش اخلاقی، پھر ادب اور ذوق کی بنیاد پر مناسبت اور تعلق اتنا بڑھ گیا تھا کہ وہ بڑے ہونے کے باوجود دوستی والا رویہ اختیار کرلیتے تھے، جس کی وجہ سے الفت وموانست برابر ملتی رہی اور ان کی شفقتیں، محبتیں حاصل ہوتی رہیں، یہ ان کی بڑائی تھی کہ وہ اپنے خوردوں کے ساتھ برابری کیساتھ ملتے تھے، ان کی ان خوبیوں کی وجہ سے شرمندگی بھی ہوتی تھی، وہ اچھے اور مفید مشوروں سے نوازتے تھے، اور ان کا وجود ہم لوگوں کے لئے تقویت کا باعث تھا، ندوۃ العلماء سے بھی ان کا تعلق بڑا پرانا اور بہت مخلصانہ تھا وہ اس کی مجلس انتظامیہ اور مجلس نظامت دونوں کے رکن تھے، اور اس کے جلسوں میں اہتمام سے شریک ہوا کرتے تھے۔

اب جب کہ وہ ہم سے جدا ہوچکے ہیں ہمارے پاس صرف دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی خوبیوں کا بدلہ اضعافاً مضاعفۃً عطا کرے اور کمزوریوں کو جن سے کوئی انسان خالی نہیں ہوسکتا سے صرف نظر کرتے ہوئے اپنے دامن عفو میں جگہ دے، اور نئی نسل کے لوگوں کو ان کی خوبیوں کے اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مولانا ابوبکر صاحب ۲۱ر اپریل ۱۹۱۳ء کو پیدا ہوئے، مولانا ابوالحسن علی صاحب ندویؒ ان سے ۸ یا ۹ ماہ چھوٹے تھے۔

معروف عربی جریدہ البعث الاسلامی، لکھنؤ کے دفتر انچارج جناب سہیل احمد صاحب ندوی کے ماموں میاں عبدالحمید کا گزشتہ دنوں قصبہ بھلوہیا ضلع بلرامپور میں انتقال ہوگیا، مرحوم اپنے علاقہ میں تعلیم کے فروغ کے لئے زندگی بھر کوشاں رہے۔ قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے اور مرحوم کے پس ماندگان کے لئے دعائے صبر کی۔

آئندہ شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں
حکمت ودُور اندیشی کی ضرورت
مولانا شمس الحق ندوی کے قلم سے

وفیات

ڈھونڈھو گے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

مشہور محقق وعالم دین ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ

ڈاکٹر مظفر عالم

استاذ شعبہ عربی حیدرآباد

آپ کا تعلق حیدرآباد دکن کے ایک معزز اور باوقار نوائطی خاندان سے تھا۔ آپ کے والد ماجد مفتی خلیل اللہ اور خاندان کے دیگر افراد علوم اسلامیہ میں تابندہ ستارے کے مانند تھے۔ اس طرح یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب کو علوم اسلامیہ میں شغف موروثی طور پر ملا تھا۔

آپ کی پیدائش ۹ رفروری ۱۹۰۸ء کو حیدرآباد دکن میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اسی شہر کے مختلف دینی وعصری اداروں میں حاصل کی جو علم وادب کا ایک ممتاز گہوارہ تھا۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے آپ نے جرمنی کا رخ کیا جہاں بون یونیورسٹی سے اسلام کے بین الملکی قانون پر تحقیقی مقالہ لکھ D. Phill کی سند حاصل کی، علاوہ ازیں فرانس کے سوبورن یونیورسٹی سے عہد نبوی اور خلافت راشدہ میں اسلامی سفارت کاری پر تحقیقی مقالہ لکھ کر .D.Lit کی سند حاصل کی۔

ان رسمی اسناد کی حصولیابی کے بعد ایک مختصر مدت تک آپ عثمانیہ یونیورسٹی سے منسلک رہے۔ بین الملکی قانون کے پروفیسر کی حیثیت سے آپ تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ فرانس کے National Centre of Scientific Research سے کم وبیش دو دہائی تک آپ وابستہ رہے۔ ماضی قریب تک یوروپ اور ایشیا کی مختلف یونیورسٹیوں میں آپ کے توسیعی خطبات کا سلسلہ جاری رہا۔ ادھر چند برسوں سے آپ امریکہ میں مقیم تھے وہیں دسمبر ۲۰۰۲ء میں ۹۷ برس کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔

ڈاکٹر صاحب لغات شرقیہ کے علاوہ لغات غربیہ پر بھی خاص قدرت رکھتے تھے۔ اس لسانیاتی مہارت نے نہ صرف آپ کو مصادر اصلیہ سے استفادہ کرنے کا موقع فراہم کیا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ آپ اسے ایک مؤثر ہتھیار کے طور پر کام میں لاتے رہے۔ اور آج علوم اسلامیہ کا ہر طالب علم آپ کو محقق اور مفکر کے علاوہ مبلغ اسلام کی حیثیت سے جانتا ہے۔ آپ کی زندگی میں سادگی کی عکاسی کرتے ہوئے پروفیسر نثار احمد فاروقی لکھتے ہیں :

''ڈاکٹر محمد حمید اللہ ایک بے مثال عالم تو ہیں ہی عام لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ قرون اولیٰ کے عباد اللہ الصالحین کی طرح نہایت سادہ زندگی گذارتے ہیں۔ پیرس جیسی عشرت گاہ میں ایک چھوٹے سے کمرے میں جس میں آرائش اور آسائش کا کوئی سامان نہیں، قناعت اور توکل کے ساتھ رہتے ہیں۔ نام ونمود، شہرت وعزت، مال ودولت، جاہ واقبال سے بے نیاز رہ کر صرف اور صرف خدمتِ دین میں اپنا ایک ایک سانس صرف کرتے ہیں۔

انتہائی کبرسنی کے باوجود اپنی تمام تر ضروریات زندگی میں قانع، متوکل اور خود کفیل تھے۔ کھانا پکاتے کپڑے خود دھوتے اشیاء خانہ خود ترتیب دیتے۔ غرض کہ کوئی خادم اور نہ کوئی رشتہ دار، دست خود دہان خویش کا معاملہ تھا۔ اس نظام زندگی کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر صالح العود رقم طراز ہیں :

''اس نظام زندگی کے تین اسباب ہیں۔ پہلا سبب تو یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب عزیمت صادقہ کے پیکر ہیں، ایسی عزیمت دور حاضر میں شاذ ونادر کسی شخصیت میں پائی جاتی ہے۔ دوسرا سبب آپ کا زہد اور تقویٰ ہے اور تیسرا سبب آپ کے غذا کی نوعیت ہے، چنانچہ حلال گوشت کی موجودگی کے باوجود تقریباً چالیس سال سے کبھی آپ نے گوشت کو ہاتھ نہیں لگایا۔ آپ کی محبوب غذا ابلی ہوئی سبزی، دودھ، اور دودھ سے بنی ہوئی اشیاء انڈے اور پھل ہیں۔''

دنیا سے آپ کی لاتعلقی کا عالم یہ ہے کہ ۱۹۹۴ء میں شاہ فیصل ایوارڈ کے لئے جب آپ کا انتخاب کیا گیا تو آپ نے از راہ بے نیازی لینے سے انکار کردیا کیوں کہ اپنی خدمات کا صلہ آپ عنداللہ لینے کے قائل ہیں۔ گرچہ یہ اوارڈ آپ کی اسلامی خدمات کے اعتراف میں آپ کو دیا جارہا تھا لیکن آپ اپنی خدمات کے اعتراف کے لئے کسی رسمی سند کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے۔ فقرانہ زندگی اور درویشانہ سادگی آپ کا شعار تھا۔ آپ نے پوری زندگی علمی اعتکاف میں بسر کی۔ فرانسیسی اور انگریزی زبان میں ان کی کتابوں سے یورپ میں بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ آپ کی تصنیفات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اس کا احاطہ کرنا دشوار ہے۔ یہ تصنیفات مختلف زبانوں میں

ہیں۔ اردو اور انگریزی کے علاوہ بالخصوص آپ کی بے بہا علمی خدمات فرانسیسی زبان میں ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید کا ترجمہ اور سیرت النبی (دو جلدوں میں) فرانسیسی زبان میں اسلام کی وہ خدمات ہیں جن سے موجودہ یورپ اور آئندہ نسلیں صرف نظر نہیں کرسکتیں۔ اسی طرح انگریزی میں آپ کی تصنیف Mohammad Rasoolullah مقبول خاص وعام ہے۔ "القرآن فی کل لسان" کے نام پر آپ نے قرآن کریم کی ایک ایسی Bibliography تیار کی جس میں دنیا بھر کی کم وبیش ۱۲۰ رزبانوں میں قرآن کے تراجم کا تذکرہ ہے۔ علم حدیث کے سلسلے میں آپ کا اہم ترین کارنامہ ''صحیفہ ہمام بن منبہ'' کی جدید پیرائے میں تحقیق واشاعت ہے۔ اسکا مخطوطہ آپ کو برلن میں دستیاب ہوا۔ یہ وہ قدیم ترین صحیفہ ہے جو عہد صحابہ میں ہی مرتب ہوا تھا۔ ''قانون بین الممالک کے اصول اور نظیریں'' آپ کی وہ خاص تصنیف ہے جس نے یوروپ کی نیند حرام کردی۔ اس کتاب کے ذریعہ مسلمانوں کے قدیم علم سیر کو آپ نے قانون بین الملکی کی حیثیت سے متعارف کرایا اور اس بات کو ثابت کردیا کہ اس طرح کا قانون تاحال صرف اور صرف مسلمانوں کے پاس ہے۔ علاوہ ازیں "الوثائق السیاسیة للعهد النبوی والخلافة الراشده" ''عہد نبوی کے میدان جنگ'' اور ''عہد نبوی میں نظام تعلیم'' وغیرہ آپ کی قابل ذکر تصنیفات ہیں جن میں آپ نے سیرت کے مختلف پہلوؤں پر مدلل اور مفصل بحث کی ہے۔

کثرت تصنیف وتالیف، سرعت کتابت، فکری عبقریت خدا کا خاص عطیہ ہے جو ہر کس وناکس کو نہیں ملتا، سوائے ان چند لوگوں کے جن پر رحمت الٰہی متوجہ ہوجائے۔ تصنیف وتالیف میں مداومت، صحت ومرض، سفر وحضر میں اس کی پابندی، فکری یکسوئی اور انہماک وہ انمول عطیہ ہیں جس پہ انسان جتنا بھی شکر ادا کرے کم ہے۔ محمد بن عبداللہ جو ابن الربیع کے نام سے مشہور ہیں اور مستدرك على الصحيحين کے مصنف ہیں، کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کی تصنیفات ۱۵۰۰ کے قریب ہیں۔

''امیر البیان شکیب ارسلان رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دوست ہاشمی الاتاسی کو ۱۹۳۵ء میں ایک خط لکھا جس میں سال رواں میں اپنی تصنیفات کا تذکرہ کیا۔ ان تصنیفات میں ۱۷۸۱ رسالے، ۷۶ رمقالے اور ۱۱۰۰ر صفحات پر مشتمل کتاب، یہ ساری چیزیں شامل تھیں۔ خط کے آخر میں انہوں نے یہ بھی لکھا کہ ہر سال ان کی تصنیفات کا یہی تناسب ہے۔''

حافظ بیہقی احمد بن الحسین صاحب سنن کبری ایک ہزار کتابوں کے مصنف تھے۔ علامہ جلال الدین سیوطی کی تصنیفات ۶۰۰ کے قریب ہیں۔ حافظ بن الجوزی کی کتابوں کی تعداد ۵۱۹ ہے، اور جاحظ، عربی کے مایہ ناز ادیب کی تصنیفات کی تعداد ۳۵۰ ہے۔ حافظ عمر بن احمد بن شاہین کی تصنیفات ۳۳۰ کے قریب ہیں۔ علامہ طبری کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ کو ۸۶ سال کی زندگی ملی جن میں ۷۲ سال مسلسل ۱۴ صفحات روزانہ لکھنے کا آپ کا معمول رہا۔ اور عصر حاضر کی مایہ ناز اسلامی شخصیت ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تصنیفات آج سے دس سال قبل ۱۱۱۲ تھیں۔

آپ کی یہ تصنیفات ۱۷ علمی اور علاقائی زبانوں میں ہیں۔ آپ کی معرکۃ الآراء تصنیف Introduction to Islam جو اصلاً فرانسیسی زبان میں لکھی گئی ہے دنیا کی ۲۳ زبانوں میں ترجمہ ہوچکی ہے۔ کثرت تصنیف میں آپ کا موازنہ حکیم الامت علامہ اشرف علی تھانویؒ سے کیا جاسکتا ہے جن کی چھوٹی بڑی تصنیفات کی تعداد ان کی وفات کے وقت ۱۰۰۰ کے قریب تھیں۔ دئے گئے اعداد وشمار کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب عصر حاضر کے مایہ ناز صاحب قلم تھے اور کثرت تالیف اور سرعت تحریر میں امامت کے مرتبہ پہ فائز تھے۔

ممکن ہے یہ سوال ذہن میں ابھرے کہ جب آپ اس قدر تصنیفی کاموں پر منہمک ہیں تو غور وفکر اور مطالعہ کا وقت کہاں سے لاتے تھے، کھانا پینا سونا اور دیگر ضروریات سے کیسے فارغ ہوتے تھے، سیمنار اور جلسوں میں کیسے شریک ہوتے تھے، رشتہ داروں، احباب اور گھر کے افراد سے ملاقاتوں کا کیا نظم کیا ہوتا تھا، تو ان تمام باتوں کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے وقت میں برکت ڈال دیتا ہے۔ اور ڈاکٹر صاحب کی خاص بات یہ ہے کہ آپ غیر شادی شدہ تھے، لہٰذا خانہ داری کی ذمہ داریوں سے آزاد تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی تصنیفات کی ایک طویل فہرست جو کم وبیش ۱۶۵ کتابیں اور ۱۰۰۰ مقالوں پر مشتمل ہے۔ آپ کی مشہور تصنیفات مندرجہ ذیل ہیں:

☆ ترجمہ قرآن کریم (فرانسیسی زبان میں) بیس سے زیادہ ایڈیشن آچکے ہیں، پہلا ڈیشن ۱۹۵۹ء میں پیرس سے شائع ہوا۔

☆ پیغمبر اسلامؐ: زندگی اور کارنامے (دو جلدوں میں فرانسیسی زبان میں) کئی بار زیور طباعت سے آراستہ ہوچکی ہے۔ آخری ایڈیشن ۱۹۸۹ء میں منظر عام پر آیا

☆ اسلام کا تعارف (فرانسیسی زبان میں) کئی مرتبہ شائع ہوچکی ہے اور

دنیا کی ۲۳ مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

☆ پیغمبر اسلامؐ کے چھ سیاسی خطوط (فرانسیسی زبان میں) یہ کتاب پیرس سے ۱۹۸۶ء میں شائع ہوئی۔

☆ روزہ کے مقاصد (فرانسیسی زبان میں) یہ کتاب پیرس سے ۱۹۸۳ء اور ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی۔

☆ فہرس تراجم معانی القرآن: دنیا کی ۱۲۰ مختلف زبانوں کے تراجم کا اس میں تذکرہ ہے۔ یہ استانبول سے شائع ہوئی ہے۔

☆ تصحیح ترجمہ بوسکای الصحیح البخاری (فرانسیسی زبان میں) پیرس سے شائع ہوئی ہے۔

☆ مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ للعہد النبوی والخلافۃ الراشدہ (عربی زبان میں) بیروت سے شائع ہوئی۔

مذکورہ کتابوں کے علاوہ آپ نے بہت ساری کتابوں کی تحقیق بھی کی ہے جن میں مندرجہ ذیل خاص اہمیت کے حامل ہیں:

☆ ابن تیمیہ کی کتاب الانواء، حیدر آباد سے ۱۹۵۶ء میں شائع ہوئی۔

☆ بلاذری کی انساب الاشراف، مصر سے ۱۹۵۹ء میں شائع ہوئی۔

☆ قاضی رشید کی الذخائر والتحف، کویت سے ۱۹۵۹ء میں شائع ہوئی۔

☆ ابن قیم کی مقدمہ فی علم السیر یا حقوق الدول فی الاسلام فی احکام اہل الذمۃ، دمشق سے ۱۹۶۱ء میں شائع ہوئی۔

☆ دینوری کی کتاب النبات، ۱۹۷۳ء میں شائع ہوئی۔

☆ سیرۃ ابن اسحاق، رباط سے ۱۹۷۶ء میں شائع ہوئی۔

☆ صحیفۃ ہمام بن منبہ، بیروت سے ۱۹۷۹ء میں شائع ہوئی۔

☆ واقدی کی کتاب الردۃ ونبذۃ من فتوح العراق، بیروت سے ۱۹۸۹ء میں شائع ہوئی۔

☆ امام محمد بن حسن شیبانی کی کتاب السیر الکبیر، حیدر آباد سے ۱۹۸۹ء میں شائع ہوئی۔

مندرجہ بالا تصنیفات وتحقیقات کے علاوہ آپ کی کچھ دیگر قابل ذکر خدمات ہیں جن کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا مثلاً دائرۃ المعارف الاسلامیہ یعنی اردو اسلامی انسائیکلو پیڈیا کی تحریر میں آپ کا ایک بڑا حصہ ہے جس میں آپ کے ۲۲ اہم مضامین شامل ہیں۔ یہ انسائیکلو پیڈیا ۱۹۶۵ء میں منظر عام پہ آیا۔ اس طرح مختلف مذاہب کے اطلس کی تیاری میں بھی آپ سرگرم عمل رہے۔ یہ اطلس پیرس سے ۱۹۶۶ء میں شائع ہوا۔ اسی نوعیت کا دوسرا اطلس جب ۱۹۸۸ء میں لکھا جانے لگا تو آپ نے اس میں تن من کی بازی لگا دی۔ یہ دونوں مذہبی اطلس فرانسیسی زبان میں شائع ہوئے۔

''خطبات بہاولپور'' ڈاکٹر صاحب کی کتاب ہے اور دیگر تصنیفات سے قدرے مختلف ہے، کیونکہ یہ آپ کے ان توسیعی خطبات کا مجموعہ ہے جو آپ نے بہاولپور یونیورسٹی پاکستان کی دعوت پر ۱۹۸۰ء میں دئے تھے۔ یہ تمام خطبات بے ساختہ اور برجستہ ہیں یعنی کسی تحریری یادداشت کا سہارا نہیں لیا گیا ہے۔ آپ نے یہ خطبات بارہ روز مسلسل مختلف اہم اسلامی موضوعات پہ دئے جنھیں دوران گفتگو ٹیپ کی مدد سے ریکارڈ کرلیا گیا اور بعد میں بے کم و کاست ضبط تحریر میں لایا گیا۔

توسیعی خطبات کا سلسلہ برصغیر میں کافی نیا ہے۔ موجودہ صدی میں ہی اس کی داغ بیل حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کے خطبات مدراس کے ذریعے ڈالی گئی جو آپ نے South Indian Muslim Educational Society Madras. کی دعوت پر دئے تھے۔ اس کے بعد علامہ اقبال نے بھی ''تشکیل جدید الہیات اسلامیہ'' کے متعلق اپنے گرانقدر خطبات وہیں پیش کئے۔ اس طرح یہ سلسلہ چل پڑا اور اسکا بین ثبوت قاضی مجاہد الاسلام قاسمی رحمہ اللہ کے خطبات بنگلور اور حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی مدظلہ کے خطبات حیدر آباد ہیں۔ جہاں تک ڈاکٹر صاحب کے خطبات کا تعلق ہے تو آپ نے ہر خطبے میں ایسے اہم نکات پیش کرنے کی کوشش کی ہے جو بیشتر محققین کیلئے غور وفکر کے نئے دریچے کھولتے ہیں، مثلاً تاریخ قرآن مجید میں آپ نے ماسبق کے تمام مفروضات کو مستند حوالوں سے رد کیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن مجید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہی یکجا کرلیا گیا تھا، خلیفہ اوّل کے زمانہ میں اسے ایک کتاب کی شکل دی گئی اور خلیفہ ثالث جنہیں جامع القرآن کی حیثیت سے جانا جاتا ہے اس کی حقیقت صرف یہ ہے کہ آپ نے تمام مسلمانوں کو صرف ایک ہی نسخہ قرآن پر جمع کیا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی سادگی اور قناعت پسندی کی زندگی طالب علموں کے لئے، عالموں کے لئے اور معلموں کے لئے ہمیشہ نمونہ رہے گی۔ ان کی کتابوں سے ہمیشہ استفادہ کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ رحمت ومغفرت کا معاملہ فرمائے۔ آمین۔

آداب حج

عازمین حج کی خدمت میں چند باتیں

مولانا بلال عبدالحئی حسنی

اسلام کے چار ارکان میں حج ایک اہم رکن ہے، اس میں بندہ اپنے مولیٰ کے ساتھ عشق ووفا کا اظہار کرتے ہوئے کفن بردوش نکل پڑتا ہے، دو سفید چادروں میں ملبوس **لبیک اللھم لبیک** پڑھتے ہوئے مرکز اسلام کا رخ کرتا ہے پھر نہ اسکو راستہ کی تکلیفوں کا احساس رہتا ہے اور نہ راحت وآرام کا خیال، اس کے سر میں تو بس مالک کے دربار میں حاضری کا سودا سما جاتا ہے۔ اس کو ہمہ وقت یہ دھیان رہتا ہے کہ میں بھی اسی عاشق حقیقی کی چال چلوں جس کو مولیٰ نے اپنا حبیب کہا، میں بھی سنت ابراہیمی کی پیروی کرتے ہوئے اپنی قربانی پیش کروں، اور اپنے اللہ کو راضی کروں جس کو راضی کرنا ہمارے ایمان کی بنیاد ہے، وہ مالک جو پورا پورا دینے والا ہے جس کو اپنے بندہ سے پیار ہے جس کو بندہ کی بندگی اور سرافگندگی عزیز ہے، بندہ جب اس کے دربار میں پراگندہ حال اور بے خود ہوکر حاضر ہوتا ہے تو رحمت الٰہی جوش مارتی ہے، اور اس کو اس طرح اپنے آغوش میں لے لیتی ہے جیسے ماں اپنے گم شدہ بچے کو۔ ارشاد نبویؐ ہے۔

"الحج المبرور ليس له جزاء الا الجنة" (رواہ البخاری عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ) حج مبرور کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں۔

علماء نے لکھا ہے کہ حج مبرور اس وقت ہوتا ہے جب حتی المقدور اس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ پر کیا جائے کمال کا دعویٰ کون کرسکتا ہے اور اگر کوئی کرے بھی تو یہی اس کا سب سے بڑا نقص ہے، مطلوب اپنی کوشش ہے۔

ایک مسلمان جب حج کا ارادہ کرے تو تجربہ رکھنے والے علماء سے رجوع کرے اور پوچھے، مطالعہ کرسکتا ہو تو ایسی کتابوں کا مطالعہ کرے جن سے معلومات بھی حاصل ہوں اور جذبات کو بھی مہمیز لگے، اس سلسلہ میں قاری سعید احمد صاحب کی ''معلم الحجاج'' حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کی ''فضائل حج'' حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی ''اپنے گھر سے بیت اللہ تک'' مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ کی ''آپ حج کیسے کریں'' اور مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی ''حج اور مقامات حج'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ زندگی بھر کی کمائی ہے اس میں کمی رہ گئی تو تلافی مشکل ہے۔ خوب سیکھ کر رخت سفر باندھے اور راستہ میں بھی اور پہونچ کر بھی پوچھتا رہے اس میں جو جتنا زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چال چلے گا، وہ اتنا ہی حج مبرور کے قریب ہوگا، اس میں عام طور پر حجاج سے غلطی ہو جاتی ہے، وہاں پہونچ کر بعض مرتبہ پوچھنے کا موقع نہیں مل پاتا ہے یا ضرورت نہیں سمجھی جاتی، اور بعض ایسے اہم مناسک رہ جاتے ہیں کہ حج کی ادائیگی خطرہ میں پڑ جاتی ہے، اس لئے اس میں پوری احتیاط ضروری ہے، اس کے ساتھ یہ دھیان بھی رہنا چاہئے کہ کس کے دربار میں حاضری ہو رہی ہے، اس سے بڑھ کر گناہ معاف کرانے اور توبہ کرنے کا کون سا وقت آئیگا اسی لئے علماء یہ بھی کہتے ہیں کہ سفر حج سے پہلے ہی بندوں کے حقوق میں اگر کوتاہی رہ گئی ہو تو ادائیگی کرلے، تاکہ کوئی پھانس باقی نہ رہے، اور وہ دھلا دھلایا وہاں سے واپس ہو۔ ارشاد رسالت ہے۔

من حج لله فلم يرفث ولم يفسق رجع كيوم ولدته أمه (رواہ البخاری) جس نے اللہ کیلئے حج کیا اور اس نے نہ کوئی فحش کام کیا اور نہ نافرمانی کی تو وہ اس حال میں لوٹے گا کہ وہ آج اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔

قربان جائیے اس فرمان پر، ایسے مجمع میں جہاں مرد بھی ہیں عورتیں بھی، کالے بھی ہیں اور گورے بھی، بدشکل بھی ہیں اور خوبصورت بھی اور آدمی اپنے گھر والوں سے دور ہے، برائی کے خطرات زیادہ ہیں، اس کی جڑ ہی کاٹ دی گئی اور قبولیت حج اور معافی عام کیلئے شرط لگا دی گئی کہ زبان پر بھی ایسی بات نہ آئے، اگر غلطی سے دل میں برا خیال بھی پیدا ہو تو اس کو کھرچ کر پھینک دیا جائے، کہ عمر بھر کی کمائی کا مسئلہ ہے، ساری محنت خاک میں مل جائے گی۔

اتنے بڑے مجمع میں ایک بڑا مسئلہ آپس کی خوش خلقی کا ہے اسباب کی بھی دشواریاں ہیں کھانے پینے کی پریشانی ہوسکتی ہے سواریوں کا بھی مسئلہ ہے لیکن صاف کہہ دیا گیا "ولا جدال فی الحج" حج میں کوئی جھگڑا اور نزع نہ ہونا چاہئے۔ ایک جگہ یہ بھی کہا گیا کہ آپس کا جھگڑا دین کو اس طرح صاف کردیتا ہے جیسے استرے سے سر کے بال صاف کردیئے جائیں، اس لئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ "وما بر الحج" حج کی نیکی کیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "إفشاء السلام وإطعام الطعام" سلام کو عام کرنا اور دوسروں کو کھانا کھلانا، سلام حقیقت میں سلامتی کی دعا ہے جب آدمی بار بار اپنے بھائی کو دعا دے گا تو محبت پیدا ہوگی، اس طرح دشواری کے باوجود دوسرے کو بھی (خاص طور پر جب وہ ضرورت مند ہو) اپنے ساتھ کھانے میں شریک کرے گا تو بھی محبت میں اضافہ ہوگا اور خود بخود بد خلقی دور ہوگی، ان آداب کے ساتھ انشاء اللہ جب حج کی ادائیگی ہوگی تو وہ حج مبرور ہوگا، اور اللہ کے نزدیک مقبول ہوگا۔

رب العالمین کے دربار میں حاضری ہوگی، بڑی محرومی ہے کہ آدمی محبوب رب العالمین کے دربار میں حاضر نہ ہو، عاشقانہ ومستانہ وار آنکھوں اور سر کے بل حاضری دی جائے کہ ہمیں دین کی دولت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بدولت ملی وہاں کے مقام کا سب سے بڑا تحفہ درود وسلام کی کثرت ہے۔

دونوں جگہ اس کا خاص خیال رہے کہ نمازیں حرم ہی میں ادا کی جائیں کہ حرم مکی میں ان کا ثواب ایک لاکھ اور حرم نبوی میں کئی ہزار گنا بڑھ جاتا ہے دونوں جگہیں بابرکت ہیں خوب دل کھول کر اپنے لئے اپنے عزیزوں اور اہل تعلق کیلئے اور ساری امت کیلئے دعائیں مانگیں، یاد آجائے تو اس عاجز کو بھی شامل کرلیں۔

کتابوں کی دنیا

تعارف وتبصرہ

نام کتاب : مہکتے پھول
شاعر : مختار احمد خاں بھٹی
مرتب : ڈاکٹر انور حسین خاں
قیمت : پچاس روپئے
ملنے کا پتہ : (۱) اخلاق حسین خاں، قصبہ نیورہ وایاموٹی ضلع فیض آباد یو۔پی،
(۲) دانش محل، امین آباد پارک، لکھنؤ
تبصرہ : مولانا محمد خالد غازی پوری

مہکتے پھول ڈاکٹر انور حسین خاں صاحب نے مختار احمد خاں بھٹی کے غیر مطبوعہ کلام کو یکجا کر کے بڑے سلیقہ سے مرتب کیا ہے۔ بچوں کے ادب میں یہ مجموعہ ایک حسین اضافہ اور دلآویز سوغات ہے۔ اس مجموعہ میں شامل شدہ نظموں کا بچوں کی نفسیات جذبات اور ترجیحات سے گہرا ربط ہے، جس کا بچوں کی نشو و نما، شعور کی پختگی اور کردار سازی میں نمایاں اور مثبت رول ہوسکتا ہے، بچوں کے ادب کے تعلق سے دیگر زبانوں میں جتنا کام ہوا ہے ابھی اردو زبان اس سے تشنہ ہے ضرورت ہے کہ اس صنف کو فروغ دیا جائے، اس اعتبار سے اس مجموعہ کلام کا اجراء بروقت اور برمحل ہے،

مہکتے پھول اپنے دامن میں چمن کے حسین پھولوں کا تبسم، آبشاروں کا ترنم، برگ گل پر بوند شبنم کا رقص اور تتلیوں کے نشاط آگیں نغموں کا آہنگ سمیٹے ہوئے ہے، جس سے حوصلہ کو سان عزم وارادہ کو پختگی اور استحکام، جودت فکر اور تخیل کی رفعت، ہوش وخرد کو صیقل اور علم کا ذوق اور وارفتگی ملتی ہے، یہی وہ عناصر ہیں جو انسانی پختہ مزاج کی تشکیل میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔ جناب مختار خاں بھٹی نے اپنی نظموں میں ان قدروں کو بڑے سلیقے سے برتا ہے، ان کی نظموں میں سلاست کے ساتھ الفاظ کا شکوہ بندش کی چستی اور نغموں کے جلو میں معنویت کا زیرو بم بھی پایا جاتا ہے۔ مختار احمد بھٹی اودھ کے نکسالی زبان ومحاورات، عرف وعادات تلمیحات وارشادات، کنایات واستعارات کی نیرنگیوں سے واقف تھے۔ لہٰذا ان نظموں کی ترتیب میں ان محاسن کا عطر بھی کشید کیا ہے۔

جناب ڈاکٹر انور حسین خاں صاحب جو خود بھی ایک صاحب طرز ادیب ہیں اور ادب پرور فطرت کے حامل ہیں ان کے ادیبانہ اور بصیرانہ مقدمے نے اس میں مزید جان ڈال دی ہے۔

مہکتے پھول، قابل قدر، دیدہ زیب، نظر افروز ہے اس کا گرد پوش بھی دلآویز ہے، البتہ کاغذ اور نفیس ہوتا تو اس مجموعہ کے ظاہری محاسن دوچند ہوجاتے۔ مجموعی طور پر یہ کتاب قابل قدر ہے ادبی حلقوں میں پذیرائی کی امید کی جاسکتی ہے۔

❁❁❁❁❁

سوال وجواب

محمد طارق ندوی

سوال : ایک شخص کے پاس اتنی رقم ہے کہ وہ یا تو حج کرسکتا ہے یا اپنی جوان بیٹی کی شادی کرسکتا ہے تو ایسا شخص پہلے حج کرے یا اپنی بیٹی کی شادی کرے۔

جواب : اس پر حج فرض ہے اگر نہیں کرے گا تو گناہ گار ہوگا۔

سوال : کچھ حلال وجائز رقم ہے اور کچھ سود کی رقم ہے تو کیا اس پوری رقم سے حج کیا جاسکتا ہے؟

جواب : حج صرف حلال رقم سے ہوسکتا ہے۔

سوال : کیا داماد اپنے سسر کی جگہ حج بدل کرسکتا ہے جبکہ سسر بیماری کی وجہ سے یہ حج نہیں کرسکتا ہے؟

جواب : خسر کے حکم سے داماد حج بدل کرسکتا ہے۔

سوال : میرے لڑکے کی عمر ۱۳ سال ہے کیا وہ میری طرف سے حج بدل کرسکتا ہے؟

جواب : اگر نابالغ ہے تو حج بدل نہیں کرسکتا ہے۔

سوال : کیا ممانی بھانجے کے ساتھ حج کرسکتی ہے؟

جواب : ممانی شرعاً محرم نہیں اس لئے وہ شوہر کے حقیقی بھانجے کے ساتھ حج پر نہیں جاسکتی ہے۔

سوال : یوم عرفہ کو وقوف کی نیت کس وقت کرنی چاہئے؟

جواب : وقوف عرفہ کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے یوم عرفہ کو زوال کے بعد جس وقت بھی میدان عرفات میں داخل ہوجائے اور اگر نیت نہ بھی کرے اور وقوف ہوجائے تو فرض ادا ہوجائے گا۔

سوال : گھر میں اگر تنہا نماز پڑھے تو اقامت کہے یا نہ کہے؟

جواب : گھر میں منفرد کیلئے اقامت ضروری نہیں پھر بھی اگر کہہ لے تو بہتر ہے۔

سوال : ایک شخص نماز میں ایک سورہ پڑھ رہا تھا مگر بھول جانے کی وجہ سے دوسری سورہ شروع کردی کیا اس صورت میں اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا؟

جواب : صورت مسئولہ میں اس شخص پر سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا۔

سوال : نفل نماز بیٹھ کر پڑھنا کیسا ہے اور اس میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب : نفل نماز کھڑے ہوکر پڑھنے میں ثواب زیادہ ہے بیٹھ کر پڑھنے میں نصف ثواب ملے گا۔ البتہ وتر کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھنا سنت سے ثابت ہے اس لئے اگر کوئی سنت کی اتباع میں بیٹھ کر پڑھے تو اتباع کی فضیلت حاصل ہوگی۔

سوال : اگر کسی شخص نے ظہر کی آخری دو رکعتوں میں فاتحہ پڑھا تو کیا اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا۔

جواب : صورت مسئولہ میں سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا۔

عالمی خبریں

محمد معید اشرف ندوی

☆ سعودی عرب کے شاہ فیصل ایوارڈز کمیٹی کے سربراہ شہزادہ خالد الفیصل نے ریاض میں مختلف علوم وفنون میں شاہ فیصل ایوارڈ حاصل کرنے والوں کے ناموں کا اعلان کیا ہے جب کہ اسلامی خدمات میں ایوارڈ حاصل کرنے والی شخصیت کے نام کا اعلان عید الاضحیٰ کے بعد ہوگا، عربی ادب کا ایوارڈ اس سال روک لیا گیا ہے انہوں نے بتایا کہ اس سال اسلامی تحقیقات کا شاہ فیصل بین الاقوامی ایوارڈ سوڈان کے ڈاکٹر عز الدین عمر موسیٰ اور مراکش کے ڈاکٹر ابراہیم ابوبکر حرکات میں برابر تقسیم کیا گیا ہے جب کہ طبی میدان میں سینے کے سرطان کے سلسلے میں میڈیکل تحقیقات کی ضمن میں اطالوی ڈاکٹر ایمبر تو دیرو سینی اور جرمنی کے ڈاکٹر اکسل رولر میں برابر تقسیم کیا گیا، انہوں نے بتایا کہ سائنس کے میدان کیمیا کے موضوع پر اس سال شاہ فیصل بین الاقوامی ایوارڈ امریکا کے ڈاکٹر میرین فریڈرک اور جاپان کے ڈاکٹر کوجی ناکانیشی نے برابر حاصل کیا۔ علاوہ ازیں شہزادہ خالد الفیصل نے ایک پریس کانفرنس کے دوران کہا کہ شاہ فیصل ایوارڈ حقیقت میں اسلامی اقدار اور سوسائٹی کا آئینہ دار ہے انہوں نے کہا کہ انسانیت کی فلاح وبہبود کے سلسلے میں دنیا، اسلام اور مسلمانوں کی گراں قدر خدمات کو کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔

☆ فرانس کے وزیر داخلہ نے تقریباً بیس ہزار فرانس میں مقیم مسلمانوں کو ملک کی شہریت دینے کا اعلان کیا ہے، یہ لوگ ایک عرصہ سے فرانس میں پناہ گزیں کی حیثیت سے زندگی بسر کررہے تھے۔

وزیر داخلہ نے اپنے اخباری اعلانیہ میں بتایا کہ ان پناہ گزیں میں تقریباً ایک ہزار وہ مسلمان ہیں جو فرانس کی مختلف مساجد میں امام، عالم اور خطیب کی حیثیت سے دعوتی اور دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ وزیر داخلہ نے اس بات کا بھی اظہار کیا کہ حقیقت میں ہم اسلام کے امن پسند لوگوں کے حمایتی ہیں اور انتہا پسند لوگوں کے خلاف ہیں اور ایسے ائمہ و مبلغین کو اپنے ملک میں داخل نہیں ہونے دیں گے جو تشدد کے رجحانات رکھتے ہوں، ہمارا ملک امن پسند، معتدل فکر کے حامل حضرات کو خوش آمدید کہتا ہے۔

☆ ملائشیا کے وزیر اعظم مہاتیر محمد نے خبردار کیا ہے کہ اگر عراق پر حملہ کیا گیا تو امریکہ کو مسلمان ممالک کی طرف سے منفی ردعمل کا سامنا ہوگا۔ ٹوکیو میں ایک کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ مسلمان ممالک پر بلاجواز پابندیاں عائد ہیں اور مسلمان دنیا میں ہر جگہ ظلم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ کی پالیسیاں انصاف پر مبنی نہیں اسے اپنی پالیسیوں پر نظر ثانی کرنا چاہئے۔

☆ برطانیہ کے ولی عہد اور پرنس آف ویلز شہزادہ چارلس نے اسلام کو دہشت گردی کے مابین تعلق جوڑنے کی کوششوں کو گمراہ کن اور شر انگیز قرار دیتے ہوئے برطانوی مسلمانو کو ملک کا گرانقدر سرمایہ قرار دیا اور کہا کہ یہ لوگ ملک کی تعمیر وترقی میں اہم کردار ادا کررہے ہیں۔ بی بی سی کے مطابق وہ لندن میں ایک مقامی ہفت روزہ کے تیسرے سالانہ ایکسی نینسی ایوارڈ کی تقریب سے خطاب کررہے تھے۔ انہوں نے ایوارڈ جیتنے والوں کو مبارک باد دی اور کہا کہ وہ میں لاکھ سے زیادہ برطانوی مسلمانوں کے بہترین نمائندہ ہیں شہزادہ چارلس کو اسلام سے دلچسپی ہے اور وہ گزشتہ سال امریکہ پر گیارہ ستمبر کے حملوں کے بعد پہلی عالمی شخصیت تھے جنہوں نے اس واقعہ کے دو ہفتے بعد لندن کی ایک مسجد کا دورہ کر کے مسلمانوں کے خلاف جذبات کو بھڑکنے سے روکا ان کا کہنا تھا کہ اسلام میں تمام عقائد سے تعلق رکھنے والوں کے لئے خیر سگالی کا پیغام موجود ہے اور سب اس سے مستفید ہوسکتے ہیں۔

☆ واشنگٹن حقوق انسانی کو بین الاقوامی تنظیم ایمنسٹی انٹرنیشنل نے امریکا سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ کیوبا کے جزیرے گوانتاناموبے کے امریکی فوجی کیمپ میں قید چھ سو سے زیادہ قیدیوں پر فرد جرم عائد کرے اور انہیں اپنا مقدمہ کے لئے وکلاء تک رسائی دے۔ بی بی سی کے مطابق امریکی صدر بش کے نام ایک خط میں ایمنسٹی نے کہا ہے کہ ان لوگوں کو ایک سال سے زیادہ عرصہ ہوگیا ہے اور انہیں کسی طرح کا قانونی تحفظ فراہم نہیں کیا گیا ان قیدیوں کو گذشتہ سال افغانستان میں جنگ کے دوران پکڑا گیا تھا چونکہ امریکہ ان لوگوں کو جنگی قیدی تسلیم نہیں کرتا چنانچہ ان پر جنگی قیدیوں سے متعلق جینوا معاہدے کا اطلاق بھی نہیں کرتا امریکا ان میں سے بعض پر فوجی عدالتوں میں مقدمہ چلانا چاہتا ہے تاکہ سزائے موت کی صورت میں انہیں اپیل کا حق حاصل نہ ہو۔

اسلام مخالف قوتوں کی نفسیات

امین الدین شجاع الدین

چند دہائیوں پہلے کی بات ہے، ایک قومی لیڈر نے ایک خانقاہ میں حاضری دی اور وہاں ایک تقریب میں اسلام کی دل کھول کر تعریف کی۔ خانقاہ کے شیخ صاحبِ دل بھی تھے اور صاحبِ فکر ونظر بھی۔ شیخ نے ان سے کہا کہ آپ نے اسلام کے محاسن بیان کردئے، اگر آپ کے ذہن میں اس مذہب سے متعلق کچھ شبہات ہوں تو انہیں بھی بیان کردیں اور اگر ایسا نہیں ہے تو اسلام سے متعلق جو کچھ آپ نے زبان سے کہا ہے، اس کا دل سے اقرار کرلیں۔

غیر مسلموں کی زبانی اسلام کی تعریف وتوصیف کا سلسلہ نہ صرف جاری ہے بلکہ اس میں تیزی آرہی ہے۔ اس میں بڑی تعداد وہ ہے جو اسلام سے واقعی متاثر ہوکر کچھ کہتی یا لکھتی ہے لیکن ایک تعداد ایسی بھی ہے کہ اسلام کی تعریف کرنا ان کی حکمت عملی اور ڈپلومیسی کا ایک حصہ ہے اور بس! مثلاً 'اسلام ایک امن پسند مذہب ہے'، جیسے بیانات جاری کرنا ایسے ہی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ لیکن تصویر کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اسلام کے چہرہ کو داغدار کرنے اور عام انسانوں کے دلوں میں اسلام سے وحشت ونفرت پیدا کرنے کی منصوبہ کوششیں بھی تیز سے تیز تر ہوتی جارہی ہیں درپیش صورت حال کو دیکھتے ہوئے ان کی زبانوں سے اسلام کی تعریف وتوصیف کو آخر کیا سمجھا جائے؟ تخرج من افواههم..... اِسلام مخالف کوششوں کا ایک پہلو کھلے عام زہر افشانی اور اشتعال انگیزی کا بھی ہے غرض کہ ان کوششوں کی جہات وکیفیات اور انداز مختلف ہیں لیکن ان سب کا محور ایک ہے اور وہ ہے اسلام سے بغض وعناد۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تعریف وتوصیف کے ساتھ ساتھ زہر افشانیوں اور سازشوں کا یہ متضاد ومختلف النوع سلسلہ آخر کیسا سلسلہ ہے اور کن باتوں کا پتہ دیتا ہے؟

اگر ایک بنیادی بات ذہن میں رکھی جائے تو بات صاف ہوجاتی ہے کہ یہ دور دجل وفریب کا دور ہے، دجل وفریب کے اس ماحول میں چہروں پر نقاب پڑے ہوئے ہیں اور مکھوٹے لگے ہوئے ہیں جس کا استعمال موقع ومحل کی رعایت سے بڑی ہوشیاری وچالاکی سے کیا جاتا ہے۔ ڈرامہ کے اسٹیج پر ہر ایک کا اپنا اپنا کردار (Role) طے ہے جسے وہ حسبِ موقع ادا کرتا رہتا ہے۔

باطل قوتوں کی ان کوششوں کے پس پشت جو مقاصد ہیں وہ اب کسی سے ڈھکے چھپے نہیں رہے۔ ان ساری کوششوں کے دو بنیادی مقصد ہیں (۱) اسلام کو غلط فہمیوں اور شبہات کے گھیرے میں لاکھڑا کرنا اور (۲) اسلام کے ماننے والوں کو خوف وذلت کی نفسیات میں مبتلا کردینا۔ یہ ایک ایسی حکمت عملی ہے جس سے عوام وخواص دونوں متاثر ہوں یعنی علماء وفضلاء کی توانائیاں تو اسلام کے دفاع میں لگ جائیں اور عوام مایوسی کا شکار ہوجائے۔

اس لحاظ سے اسلام مخالف قوتوں کی چالیں بہت باریک ہیں لیکن ہمیں درپیش حالات وواقعات سے اوپر اٹھ کر اس نکتہ پر غور کرنا چاہئے کہ وہ لوگ جو ملت اسلامیہ کو خوف وذلت کی نفسیات میں مبتلا کرنے کی تدبیریں کررہے ہیں، آخر خود ان کی نفسیات کیا ہے؟

اسلامی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ اسلام کے خلاف بغض وعناد رکھنے والوں کی نفسیات یہ ہے کہ وہ اسلام کی ناقابل تسخیر قوت، اس کی صداقت وحقانیت اور اس کی افادیت ونافعیت سے خوفزدہ ہیں۔ یہی وہ نفسیات ہے جس نے کبھی کانوں میں روئی ٹھونسنے کا مشورہ دیا تھا کہ قرآن کے اثر آفریں بول کانوں میں نہ پڑجائیں اور کبھی ابوطالب کی گھاٹی میں ایمان والوں کو محصور کرکے ان کا جینا دوبھر کردیا تھا، مگر قادرِ مطلق کا فیصلہ ہے کہ اللہ کا نور پھیل کر رہے گا۔ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِؤُا نُوْرَاللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآاَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْكَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (سورہ توبہ/۳۲)

Resi : 2268177
Mobile : 9415002535
Shop : 2213736
2500667

سونے اور چاندی کی دنیا میں ۷۵ رسالہ دیرینہ نام

حاجی صفی اللہ جیلرس

ہمارا نیا شوروم

گڑبڑ جھالہ کے سامنے امین آباد لکھنؤ

پروپرائٹر : محمد اسلم

Haji Safiullah
Jewellers

Opp. Gadbad Jhala, Aminabad, Lucknow.-18

بفضلہ

بہترین مٹھائیوں اور بیکری مصنوعات سے وابستہ نام

سلیمان عثمان

چند خاص مصنوعات: افلاطون، ڈرائی فروٹ برفی، ڈرائی ڈیٹ برفی، انجیر پاک، اخروٹ پاک، انڈا پاک، بادام کاز عفرانی حلوہ، بادامی حلوہ، سوہن حلوہ، بادامی سوہن حلوہ، کاجو قتلی، کاجو رول، ملک کیک..... ان کے علاوہ کاجو بسکٹ اور دیگر کئی قسم کے بسکٹ خستہ نان خطائیاں۔

شیریں رواج، شیریں مزاج

سلیمان عثمان مٹھائی والے

۱۶۷، ابراہیم مرچنٹ روڈ، بمبئی-۲ فون: ۳۷۵۰۰۵۹، ۳۷۵۷۹۶۶

سلیمان عثمان بیکری: ۲۳، محمد علی روڈ نزد چوناٹی مسجد، بمبئی-۲ فون: ۳۷۱۷۸۴۲

Fax: 0091-22-8341635 Telex: 011-79341 BARI IN

بمبئی کے قارئین "تعمیر حیات" سے

بمبئی کے قارئینِ "تعمیر حیات" سے گذارش ہے کہ "تعمیر حیات" کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں، وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔

ALAUDDIN TEA

Tea Merchants

44, Haji Building, S.V. Patel Road,
Null Bazar, Mumbai 400 003
Tele: Add CUPKETTLE Tel.: 3460220, 3468708
Tel. (R) 3095852

۱۲ نمبر اور ۱۲×۷ کی اسپیشل چائے استعمال کیجئے

مئو کا بنا تیز اثر دار افضلس نورانی تیل

لیبل وکیپ پر AFZALS
اور MAU CITY دیکھ کر خریدیں

AFZALS

بدن کے ہر قسم کے درد، زخم، چوٹ، ورم، نزلی کے امراض نیز جوؤں کی بہت سی بیماریوں مثلاً حلقہ، خنّاق کھانسی، نزلہ وزکام وغیرہ میں مجرب ومفید ہے۔

INDIAN CHEMICAL CO. NEW CHEMICAL CO.
Mau Nath Bhanjan- Mau- 275101 (U.P.)

Shop: 260890
Resi: 269562

MOHD. IRFAN
PROPRIETOR

NEW KAREEM JEWELLERS

نیو کریم جیلرس

دوکان نمبر ابلد مارکیٹ ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ لکھنؤ